اکتوبر/ نومبر/ دسمبر ۲۰۲۲ء

آپ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت میں فریفتہ اور متفکر رہتے تھے۔ صحابہ کرام کی محبت وعقیدت اور ان کے ناموس کے تحفظ کے سلسلے میں نہ کبھی کوئی لمحہ فرد گزاشت کیا نہ ہی کسی قسم کی مصلحت پسندی اختیار کی۔ نا سمجھ لوگوں کی اصلاح کے لیے قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کرام کے مقام کو ایسے اجاگر کیا کہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے؛ آپ نے حق ادا کیا۔

[حضرت مولانا قاضی عبد الرزاق رحمہ اللہ]

بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا رات میں تہجد گزار اور دن میں روزہ دار کی طرح ہے۔

(صحیح بخاری/۵۳۵۳ و صحیح مسلم/۲۹۸۲)

جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت

گلگت بلتستان کا اولین دینی، تحقیقی اور اصلاحی مجلّہ

سہ ماہی نصرۃ الاسلام
مجلّہ گلگت

شمارہ:۴ | اکتوبر/نومبر/دسمبر ۲۰۲۲ء | جلد: ۱۱

بیاد:
حضرت مولانا قاضی عبدالرزّاق نور اللہ مرقدہ

سرپرستِ اوّل:
حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزّاق سکندر رحمہ اللہ

مدیرِ اعلیٰ
قائد اہلسنت گلگت بلتستان وکوہستان
حضرت مولانا قاضی نثار احمد مدّظلہ

مدیر
حافظ عطاء اللہ

برائے رابطہ

مدیر سہ ماہی نصرۃ الاسلام گلگت

مرکزی دفتر جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام
عید گاہ روڈ، گلگت سٹی، گلگت بلتستان
+92-5811-453279
+92-0355-4712178

E-Mail:
nusratulislampk@gmail.com

Website:
nusratulislam.net

عکس نما

قیمت فی شمارہ: ۱۰۰ روپے

پبلشر: مولانا قاضی نثار احمد، جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت شہر

وَمَثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمُ ٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ ٱللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ
جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَـَٔاتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ
وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ {البقرة}

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ اس سے
اگیں سات بالیں، ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ بے
نہایت بخشش کرنے والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
اور جس نے کسی مشکل میں پڑے شخص کے لیے آسانی کی
اللہ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا (سُنَنِ ابی داود)

جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت
پوری کرے گا، جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرے اللہ تعالیٰ اس کی
قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت کو دور فرمائے گا۔ (صحیح البخاری)

"جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی کسی حاجت اور ضرورت سے جائے
تو حق تعالیٰ ایسے شخص کو ہر قدم پر ستر نیکیاں عطا فرمائے گا، یہاں تک کہ
وہ اسی جگہ واپس لوٹ آئے جہاں سے وہ چلا تھا، پھر اگر اس مسلمان بھائی کی
ضرورت اسی کے ذریعہ پوری ہو گئی تو وہ شخص اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف
ہو جائے گا جیسا کہ آج ہی اس کی ماں نے اُسے جنا ہو اور اگر اسی دوران اس کا
انتقال ہو جائے تو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہو گا۔"
(مسند ابی یعلی، ج: ۵، ص: ۱۷۵)

گلگت بلتستان کا حالیہ سیلاب

صورتحال، ہماری کاوشیں اور مستقبل کے اہداف !

اداریہ

پاکستان ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی کے تازہ تخمینے کے مطابق حالیہ سیلابوں میں ۵۵۱ بچوں سمیت قریباً ۱۵۰۰ سے زیادہ لوگ موت کا شکار، بے شمار آشیانے تباہ اور لاکھوں افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔

سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں ضروری ادویہ اور طبی سامان کا ذخیرہ محدود ہو گیا ہے، خراب گزر گاہیں، ٹوٹے ہوئے یا خستہ حال پل متأثرین تک رسائی میں شدید رکاوٹ بن رہے ہیں اور بیماریوں کی نگرانی اور ریفرل میکانزم بھی بری طرح متاثر ہوا ہے۔

خصوصاً گلگت بلتستان میں سیلاب سے متأثر ہونے والے افراد کی پریشانیاں فوری حل ہوتی نظر نہیں آرہی ہیں۔ اگرچہ نقصانات کے ازالے کے لیے وفاقی اور صوبائی حکومت کی طرف سے چند علاقوں میں ترقیاتی کاموں کا وعدہ بھی کیا گیا ہے اور کچھ ادائیگیاں بھی ہوئی ہیں مگر بہت سے دوسرے پسماندہ علاقے حکومتی تعاون اور ہنگامی امداد کے شدید مستحق اور منتظر ہیں۔

وہ تو اللہ جزائے خیر عطاء فرمائے علماء کرام، رفاہی اداروں اور سماجی شخصیات کو کہ انھوں نے سیلاب زدہ علاقوں میں اپنی بساط کے مطابق بلا تفریقِ مذہب و مسلک نقد رقوم کی تقسیم اور فراہمیء خوراک کے ذریعے اپنے مجبور و بے کس ہم وطنوں کی خدمت کو یقینی بنایا اور خیر خواہی کی ایک شاندار مثال قائم کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہمیں ان مصائب سے محفوظ رکھنا اور مستحقین کی مدد کے قابل بنانا ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے جس کا شکر اداء کیا جانا ہم پر لازم ہے، اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس شکر بجالانے کی ادنیٰ سی صورت اِن ضرورت مند بہن بھائیوں کی خدمت کے جذبے کو مہمیز دینا اور مزید آگے بڑھ کر تعاون کرنا ہے۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ سردیوں سے قبل متأثرین کی اپنے گھروں میں واپسی یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش بروئے کار لائیں۔

ابتدائی سروے کے نتیجے میں دیکھا گیا ہے کہ جہاں پتھر بلاقیمت دستیاب ہے وہاں مختصر ضروریات کا حامل ایک چھوٹا سا کچا گھر تقریباً دو لاکھ پچاس ہزار روپوں میں، اور اگر لوہے کی چادر کی چھت والے دو کمرے، کچن، واش روم بنائیں تو یہ تخمینہ چار لاکھ روپوں تک جا پہنچتا ہے۔ UOPAD کی پوری کوشش ہے کہ جن علاقوں میں حکومت نے گھروں کی تعمیر کے لیے فنڈز جاری نہیں کیے وہاں کم از کم پچاس گھروں کی تعمیر کے لیے بھرپور کوشش کی جائے۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ قائدِ گلگت بلتستان و کوہستان، مہتمم جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام گلگت حضرت مولانا قاضی نثار احمد مدظلہ اب تک اپنے قائم کردہ رفاہی ادارے UOPAD (یونائیٹڈ آرگنائزیشن فار پیس اینڈ ڈویلپ منٹ) کے زیرِ اہتمام مختلف مدات میں ساٹھ لاکھ روپے نقد او سینکڑوں خوراک پیکیجز (غذر، دیامر اور گلگت سمیت مختلف اضلاع میں) تقسیم فرما چکے ہیں۔ لیکن گھروں کی تعمیر کے اس منصوبے کو کامیاب بنانا ابھی باقی ہے۔ ہماری عطیات دہندگان سے گزارش ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ قوت سے تباہ حال عوام کی مدد کو پایہء تکمیل تک پہنچائیں، مزید ثواب کمائیں اور عند اللہ خوب ماجور ہوں۔

عشق نبوی ﷺ کے تقاضے یہ بھی ہیں

مولانا محمد سلمان بجنوری

ربیع الاوّل کا مہینہ آگیا ہے اور اس ماہ مبارک میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کی مناسبت سے اظہار عقیدت ومحبت کے بے شمار مظاہر کا سلسلہ بھی جاری ہے، جلوس ومیلاد جیسی خلاف سنت رسوم سے قطع نظر، اگر صرف سیرت کے موضوع پر منعقد ہونے والے جلسوں کا جائزہ لیا جائے تو بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں کسی موضوع پر اتنی بڑی تعداد میں بیانات اور جلسے نہیں ہوتے ہوں گے جتنے سیرت نبوی کے موضوع پر ہوتے ہیں۔

پھر جس طرح یہ حقیقت ہے کہ جلوس ومیلاد جیسی مبتدعانہ رسوم، قابل ترک ہیں اسی طرح یہ بھی سچائی ہے کہ ہمارے جلسہ ہائے سیرت (بلکہ ہر موضوع کے جلسے) بھی بہت سے پہلوؤں سے اصلاح کے مستحق ہیں اور بلاشبہ ان امور پر توجہ دلانا بھی ضروری اور وقت کا تقاضا ہے اور علماء کرام اس تقاضے کی تکمیل بھی کسی نہ کسی درجے میں کرتے ہی ہیں۔

لیکن سر دست ان امور پر گفتگو نہ کرکے یہ عرض کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بلاشبہ تقاضائے ایمان؛ بلکہ شرط تکمیل ایمان ہے، جس کا اظہار بھی لازم ہے؛ لیکن اس کے لیے سال کے متعینہ ایام میں جلسے جلوس یا دیگر مظاہر عقیدت کا اہتمام قطعاً کافی نہیں ہے اور اگر خلاف سنت ہو تو درست بھی نہیں ہے، بلکہ دراصل جو چیز ضروری ہے وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کو پہچاننا اور ان کی ادائیگی کے لیے سارے سال بلکہ ساری زندگی محنت کرنا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کا موضوع ایسا ہے جو ہم لوگوں نے بڑی حد تک نظر انداز کررکھا ہے، جب کہ قرآن وحدیث میں بڑی اہمیت کے ساتھ اس کو بیان کیا گیا ہے اور علماء امت نے کتب حدیث وسیرت میں بھی اس موضوع کا حق ادا کیا ہے اور مستقل اسی موضوع پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔

اس سلسلے میں جس کتاب کو بجا طور پر شہرت دوام حاصل ہے وہ قاضی عیاض مالکیؒ متوفی ۵۴۴ھ کی ”الشفاء بتعريف حقوق المصطفى صلى الله عليه وسلم“ ہے دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب اپنے موضوع پر سند اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے اس کے بعد بھی اس موضوع پر مختلف کام سامنے آئے ہیں بالخصوص ماضی قریب میں جب دشمنان اسلام کی جانب سے توہین رسالت کے واقعات پے درپے پیش آئے تو علماء کرام نے امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی پر نئے سرے سے متوجہ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان سطور میں اس مبارک و وسیع موضوع پر کسی تفصیلی اظہار خیال کا امکان نہیں ہے؛ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع کی کتابوں میں جو حقوق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیے گئے ہیں ان میں سے نمایاں حقوق کا تذکرہ اجمالی انداز سے کر دیا جائے۔ ان حقوق کی تعداد اور ترتیب مختلف کتب میں الگ الگ ہے اور قرآن وحدیث میں بھی یہ متفرق طور پر بیان ہوئے، سر دست ان میں سے دس حقوق کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

(1) الإيمان به: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، یہ آپ کا سب سے پہلا حق ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اللہ رب العزت کی طرف سے جو کچھ بھی لے کر آئے اس کے ہر ہر جزء کی تصدیق کرنا اور اس پر یقین رکھنا، نیز آپ کی رسالت کو ساری دنیا کے لیے عام سمجھنا اور آپ کو آخری پیغمبر تسلیم کرنا۔

(2) محبته: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کے تمام لوگوں سے، اپنے والدین سے، اپنی اولاد سے اور خود اپنی ذات سے جو محبت ہے اس سے بڑھ کر آپ سے محبت کرنا۔ اس کے بغیر کسی بھی مسلمان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا ہے۔

(3) اتباعه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا: یعنی اپنی زندگی کے ہر عمل میں طریقۂ نبوی کو اختیار کرنا، اپنی ہر خواہش کو شریعت کے تابع کر دینا اور عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت میں اپنے آپ کو سنت کے سانچے میں ڈھال لینا۔

(4) توقيره: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرنا: یہ حق بھی قرآن وحدیث میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ سے نسبت رکھنے والی تمام شخصیات اور اشیاء کا دل سے احترام داخل ہے جس کی مثالیں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عملی نمونوں میں نمایاں ہیں۔

(5) الصلاة عليه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا، یہ بھی آپ کا ایک اہم اور لازمی حق ہے جس کی تاکید قرآنی آیات سے لے کر احادیث شریفہ تک پر زور انداز میں بیان کی گئی ہے۔

(6) الذب عنه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنا: یہ بھی آپ کا ایک لازمی حق ہے بالخصوص ان اوقات میں جب دشمنانِ دین وانسانیت کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کا جرم سامنے آئے تو اس کے جواب میں، دوسرے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ بے ادبی کے بغیر، نہایت قوت سے بھرپور طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنا اس امت کا فریضہ ہے۔

(7) النصر لدينه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کرنا، اس میں دین کی تائید و تقویت اور نشر واشاعت کی تمام کوششیں شامل ہیں۔

(8) محبة أہل بيته: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت کرنا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت اطہار یعنی آپ کی ذریت مطہرہ اور ازواج مطہرات سے محبت بھی آپ کا حق اور ایمان کا تقاضا ہے اور اس میں بھی کوتاہی کرنا، بڑی محرومی کی بات ہے۔

(9) محبة صحابته: آپ ﷺ کے صحابۂ کرامؓ سے محبت کرنا، یہ بھی آپ ہی کے حقوق میں آتا ہے؛ اس لیے کہ حدیث کی رُو سے صحابہؓ کی محبت بھی حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد پر ہوتی ہے اور صحابہ سے دل میں بغض یا میل رکھنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی علامت ہے۔

(10) موالاۃ أولیائه بغض أعدائه: آپ ﷺ سے محبت کرنے والوں سے رشتہ استوار رکھنا اور آپ کے دشمنوں سے بغض رکھنا۔ واضح رہے کہ آپ سے محبت کرنے والوں کی بنیادی پہچان اتباع سنت ہے۔

یہ دس امور کی ایک مختصر سی فہرست ہے جو اس وقت اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہے، ان میں ہر ایک جزء پر قرآن وحدیث کے واضح دلائل موجود ہیں، جن کی تفصیل پیش کرنے کے لیے دوسری فرصت کا انتظار ہے۔ سر دست تو یہ عرض کرنا ہے کہ امت مسلمہ اگر اپنے حال و مستقبل کو درست کرنے اور رکھنے کے لیے واقعی سنجیدہ ہے تو اسے اپنی خواہشات یا رسوم ورواج کو خیر باد کہہ کر سنت کے اس راستے پر آنا چاہیے اور اپنے اور انسانیت کے سب سے بڑے محسن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا حقوق کی ادائیگی کے لیے کمربستہ ہو جانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا [الکھف: ۱۱۰]

"آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔" دل کی گہرائی سے اللہ کی رحمت ومہربانی کی امید رکھنا بھی تقرب اِلی اللہ یا وسیلہ اِلی اللہ ہے۔

اس تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث قدسی بھی مروی ہے کہ:

أنا عند ظن عبدی بی، و أنا معه حيث ذكرنی (متفق علیه)

"اللہ عزوجل فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں یعنی اس کے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جیسا وہ میرے بارے میں گمان رکھے گا اور میں اس کے ساتھ ہوں جہاں بھی وہ مجھے یاد کرے گا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث میں آیا ہے:

عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لایستقیم إیمان عبد حتی یستقیم قلبه (مسند أحمد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ کسی بندے کا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کا دل صحیح ودرست نہ ہو۔

عورت

ثقافتی جنگ میں مغرب کا ہتھیار

مولانا زاہد الراشدی

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ اس وقت عالم اسلام اور مغرب میں فلسفۂ حیات اور کلچر و ثقافت کی جو کشمکش جاری ہے اور جسے خود مغرب کے دانشور "سولائزیشن وار" قرار دے رہے ہیں اس میں مغرب کا دعویٰ ہے کہ وہ جس کلچر اور ثقافت کا علمبردار ہے وہ ترقی یافتہ اور جدید ہے اس لیے ساری دنیا کو اسے قبول کر لینا چاہیے۔ لیکن مغرب کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کیونکہ جدید تہذیب کی اقدار و روایات میں کوئی ایک بات بھی ایسی شامل نہیں ہے جسے نئی قرار دیا جا سکے بلکہ یہ سب کی سب اقدار و روایات وہی ہیں جو "جاہلیت قدیمہ" کا حصہ رہ چکی ہیں اور اسلام نے جاہلی اقدار قرار دے کر انسانی معاشرہ کو ان سے نجات دلائی ہے۔ ان اقدار و روایات پر ایک نظر ڈالیں:

سود (۲) زنا (۳) ناچ گانا (۴) کہانت (۵) لواطت (۶) جوا (۷) شراب نوشی (۸) بت پرستی (۹) بے پردگی و عریانی (۱۰) اور نسلی و لسانی عصبیت آج کے تمدن کی نمایاں علامات ہیں۔

لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے جو نئی کہلانے کی مستحق ہو اور جسے جاہلیت قدیمہ کے ساتھ کشمکش کے موقع پر اسلام نے شکست نہ دی ہو۔ حتیٰ کہ ان اقدار و روایات کے حوالہ سے جو دلائل ان کے جواز کے لیے آج پیش کیے جا رہے ہیں وہ بھی وہی ہیں جو جاہلیت قدیمہ کے علمبردار پیش کیا کرتے تھے، مثلاً:

بے پردگی اور عریانی کو فطرت اور نیچر کی طرف واپسی قرار دیا جا رہا ہے۔ جبکہ جاہلیت کے دور میں بیت اللہ کا عریاں حالت میں طواف کرنے والے مشرکین بھی یہی کہا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے گھر میں فطری حالت میں پیش ہونا چاہتے ہیں۔

اسی طرح آج سود کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بزنس کا حصہ ہے اور اس کے بغیر تجارت کامیابی سے نہیں چل سکتی۔ جبکہ سود کے حق میں مشرکین مکہ نے بھی یہی دلیل دی تھی جسے قرآن کریم نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ "سود اور تجارت ایک جیسے ہی ہیں"۔ اس لیے اس تہذیبی کشمکش میں ہمیں کسی گھبراہٹ کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بعینہ اسی تہذیب اور کلچر کو ہم ایک بار پہلے مکمل شکست دے چکے ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا تھا اس وقت عرب معاشرہ میں یہ ساری چیزیں موجود تھیں لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حجۃ الوداع" کے موقع پر اپنے مشن کی کامیابی کا اعلان فرمایا

تو عرب معاشرہ ان تمام خرابیوں سے پاک ہو چکا تھا۔ لہٰذا تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے تاریخ عالم کے پورے نشیب و فراز کو سامنے رکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ کل کی طرح آج بھی اس "جاہلیت جدیدہ" کو شکست ہو گی اور نسل انسانی کا مستقبل اسی تمدن اور ثقافت پر استوار ہو گا جس کی بنیاد آسمانی تعلیمات پر ہے اور جس کی نمائندگی اس وقت اسلام کر رہا ہے۔

دوسری بات جو میں اس موقع پر عرض کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ "فری سوسائٹی" یا اباحیت مطلقہ کا یہ فلسفہ جس پر مغربی تہذیب کی عمارت استوار ہے جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے تمام دائرے توڑ کر اپنے عروج اور انتہا کو پہنچ چکا ہے۔

اس کا اندازہ مغربی ممالک کی اسمبلیوں اور عدالتوں کے ان فیصلوں سے لگایا جا سکتا ہے جو گزشتہ ربع صدی سے مسلسل سامنے آرہے ہیں اور جائز و ناجائز کے ان دائروں اور حدود کو پامال کرنے کی مہم میں اسمبلیوں اور عدالتوں کے ساتھ اب چرچ بھی شامل ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں دو تین حالیہ فیصلوں کا حوالہ دینا چاہتا ہوں:

چرچ آف انگلینڈ نے کچھ عرصہ قبل اپنی شاخوں کو یہ ہدایات جاری کی ہیں کہ چونکہ بغیر شادی کے میاں بیوی کے طور پر اکٹھے رہنے والے جوڑوں کا تناسب پچاس فیصد سے بڑھ گیا ہے اور سوسائٹی نے اس عمل کو قبول کر لیا ہے اس لیے اس عمل کو آئندہ گناہ نہ کہا جائے اور نہ ہی اس کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

گزشتہ سال برطانیہ کے ایک ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا ہے کہ میاں بیوی کے طور پر اکٹھے رہنے والے دو ہم جنس پرست مرد قانون کی نظر میں میاں بیوی متصور ہوں گے اس لیے ایک کے مرنے کے بعد دوسرا اس کا وارث قرار پائے گا۔

گزشتہ ہفتے اٹلی کی سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا ہے کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے علاوہ دوسرے مرد کے ساتھ بھی تعلقات قائم کر سکتی ہے لیکن اسے رات بہر حال خاوند کے ساتھ رہنا چاہیے۔

یہ خاندانی نظام کے حوالہ سے مغربی سوسائٹی کے "فری سسٹم" کی انتہا ہے اور اسی سے ہمیں اندازہ کر لینا چاہیے کہ مغربی ثقافت کے نام پر بین الاقوامی قوانین کو قبول کر لینے کا مشورہ دینے والے ادارے اور این جی اوز ہمیں کس راستہ پر ڈالنا چاہتی ہیں اور پاکستان میں کس قسم کے کلچر کو فروغ دینے کے لیے کوشش کر رہے ہیں؟

اس حوالہ سے آپ حضرات کی خدمت میں تیسری گزارش یہ ہے کہ مغربی حکومتیں اور عالمی ادارے اس کلچر کو ہم پر مسلط کرنے کے لیے مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کی خواتین کانفرنسوں، اقوام متحدہ کے منشور، جنیوا انسانی حقوق کمیشن کی قراردادوں، انسانی حقوق کے بین الاقوامی اداروں اور عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے ہم سے بار بار یہ تقاضا کیا جا رہا ہے کہ اسلام کے نکاح، طلاق اور وراثت کے قوانین آج کے مروجہ بین الاقوامی قوانین سے متصادم ہیں اس لیے ان میں ردوبدل کیا جائے اور انہیں تبدیل کر کے اقوام متحدہ کے چارٹر اور مروجہ بین الاقوامی قوانین کے مطابق بنایا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نکاح، طلاق اور وراثت کے متعدد اسلامی قوانین اقوام متحدہ کے چارٹر اور اس کی بنیاد پر تشکیل پانے والے بین الاقوامی قوانین سے متصادم ہیں اور اسی وجہ سے عالم اسلام کی حکومتیں اس سلسلہ میں تذبذب اور گومگو کی کیفیت سے دوچار ہیں:

ترکی نے پون صدی سے یہ فیصلہ کرتے ہوئے اسلامی قوانین سے دستبردار ہو کر مغربی قوانین مکمل طور پر قبول کر رکھا ہے۔

جبکہ دوسری طرف افغانستان کی طالبان حکومت نے یہ واضح اعلان کر رکھا ہے کہ وہ کسی اسلامی قانون سے دستبردار نہیں ہوں گے اور شرعی قوانین کے حوالہ سے اقوام متحدہ سمیت کسی کی بات سننے کے لیے وہ تیار نہیں ہیں۔

جبکہ دیگر مسلمان حکومتیں دوہرے طرز عمل کا مظاہرہ کر رہی ہیں، عالمی اداروں کا دباؤ بڑھتا ہے تو بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط کر دیتی ہیں اور اپنے ملکوں کے عوام اور دینی حلقوں کے دباؤ میں اضافہ ہوتا ہے تو اسلامی احکام کی من مانی تعبیر و تشریح کا راستہ اختیار کرنے لگتی ہیں۔ ہمارے ہاں صدر محمد ایوب خان مرحوم کے دور میں ”عائلی قوانین“ اسی عالمی دباؤ کے تحت نافذ کیے گئے تھے جن کی متعدد دفعات قرآن وسنت کے صریح احکام سے متصادم ہیں۔

چند سال قبل سپریم کورٹ کے جسٹس ناصر اسلم زاہد کی سربراہی میں خواتین حقوق کمیشن نے جو سفارشات پیش کیں وہ بھی اس بین الاقوامی دباؤ کا نتیجہ تھیں اور اب ہماری اعلیٰ عدالتوں میں اس حوالہ سے جو فیصلے ہو رہے ہیں اس کے پس منظر میں یہی عالمی دباؤ کار فرما ہے۔ اس سلسلہ میں بطور مثال صرف دو فیصلوں کا ذکر کرنا چاہوں گا: سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس عثمانی کا فیصلہ ریکارڈ پر ہے جس میں وراثت کے کسی کیس میں لڑکی اور لڑکے کے حصوں میں فرق کو غیر مساویانہ بتا کر غیر منصفانہ قرار دیا گیا ہے۔

اسی قسم کا فیصلہ لاہور ہائی کورٹ کا ہے جو حال ہی میں سامنے آیا ہے کہ لڑکی نے گھر سے بھاگ کر ایک لڑکے سے تعلق قائم کیا اور کچھ عرصہ اکٹھے رہ کر نکاح کر لیا تو ہائی کورٹ نے ان سب مراحل کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے ”محبت کی شادی“ قرار دے کر قانونی جواز کی سند فراہم کر دی۔

اسلام میں عورت کو جو مقام دیا گیا ہے اور اس کے حقوق کے بارے میں قرآن وسنت کی جو واضح ہدایات موجود ہیں ان کے بارے میں میرے پیش رو مقررین نے تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے اس لیے میں اس پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے آج کے اس سیمینار کے موضوع کے دوسرے پہلو پر کچھ گزارشات پیش کی ہیں کہ مغرب نے عورت کو اس ثقافتی جنگ اور سولائزیشن وار میں اپنا ہتھیار بنا کر اس کی تذلیل کا جو سامان فراہم کر رکھا ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اور علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں صحیح صورتحال کا ادراک کریں اور مطالعہ و تحقیق کے تقاضے پورے کرتے ہوئے مدارس کے طلبہ، مساجد کے نمازیوں اور اخبارات و جرائد کے قارئین کی ذہن سازی اور راہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے میں کوئی کوتاہی روا نہ رکھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق کے حامل تھے۔
صحیح ۔ متفق علیہ

کاؤنسلنگ (مشاورت) سے دِلوں کی دوریاں کم ہوتی ہیں!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

آج بہت خوشی ہو رہی کہ آج کی مجلس میں علماء، فقہاء اور خبراء بھی ہیں۔ علماء دینی معلومات رکھنے والے کو کہتے ہیں اور فنی معلومات رکھنے والے کو خبیر کہتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں خبیر کی رائے پر قاضی کو فیصلہ کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں ایک بات عرض ہے کہ علماء اور دانشور طبقہ وہ ہیں، جو بہت کم محسوس کرتے ہیں، کہ ہمیں اور جاننے کی ضرورت ہے، یعنی ہر طبقہ مگن ہے، حالاں کہ علم کی پہلی منزل ہی احساسِ جہل ہے۔ ہم جو جانتے ہیں وہ بہت کم ہے اور جو نہیں جانتے ہیں وہ بہت زیادہ ہے۔ اس احساس کی وجہ سے انسان سیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ انسان اپنے بچوں سے بھی سیکھتا ہے ، صرف ماں باپ بچوں کو نہیں سکھاتے ہیں، بلکہ بچے بھی بعض اوقات ماں باپ کو سکھاتے ہیں، طلاق غضبان کی ابھی بات آئی ہے ، بعض لوگ گھر میں غصہ کرنے کا بہانہ تلاش کرتے ہیں ، ایک صاحب اپنی بیوی کو بہت ڈانٹتے تھے ، کچھ نہیں ملتا تھا، تو کہتے تھے کہ تم بہت فضول خرچی کرتی ہو، بیوی جواب دیتی، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اعتراض کرنے کے لئے کچھ ملا نہیں تو بھی اعتراض کیا کہ آج پھر تم نے فضول خرچی کی ہے۔ بیوی نے سوال کیا کہ میں نے کہاں فضول خرچی کی ہے بتائیے؟ تو شوہر نامدار نے کہا کہ سر میں ایک چوٹی باندھ سکتی تھی تم نے دو چوٹی کیوں باندھی ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ آدمی بیوی سے لڑ سکتا ہے ، اپنے بچوں سے نہیں لڑ سکتا ہے ، بلکہ بچوں کا غصہ برداشت کرنا پڑتا ہے، غصہ کو برداشت کرنے کے لیے ماہر نفسیات نے جو باتیں کہیں ہیں وہ باتیں حدیث شریف میں موجود ہے۔ کاؤنسلنگ انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس سے بنیادی مسائل حل ہوتے ہیں۔ فتوی اور فیصلہ سے جواب مل جاتا ہے، مسئلہ حل نہیں ہوتا ہے اور فیصلہ کینہ اور حسد کی کیفیت پیدا کرتا، فتوی اور فیصلہ سے مسئلہ کی نوعیت کا جواب مل جاتا ہے۔ مسئلہ حل نہیں ہوتا ہے، اس سے دلوں کی دوریاں دور نہیں ہوتی ہیں، باہمی مفاہمت سے مسائل حل ہوتے ہیں، فاصلے ختم ہوتے ہیں، دوریاں ختم ہوتی ہیں۔ آپس کی تلخیاں دور ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ نے ضرورت کے لحاظ سے کاؤنسلنگ کی ہے۔

ایک نوجوان آپ ﷺ کی مجلس میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اسلام کی تمام باتوں پر عمل کروں گا، البتہ زنا نہیں چھوڑوں گا،

آپ ﷺ اس کو اپنے پاس بٹھاتے ہیں اور اس کی کاؤنسلنگ کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ کوئی شخص یہی کام تمہاری بیوی کے ساتھ کرے، کیا تم برداشت کروگے؟ اس نے کہا نہیں، اس سے پوچھا یہی کام کوئی تمہاری بہن کے ساتھ کرے کیا تم برداشت کروگے، اس نے کہا بالکل نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کوئی یہی کام تمہاری ماں کے ساتھ کرے کیا تم برداشت کروگے؟ اس نے جواب دیا میں اس کو قطعی برداشت نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح کوئی دوسرا شخص بھی نہیں چاہتا کہ تم اس کی بیوی، بہن، ماں اور خالہ کے ساتھ یہ کام کرو، اس شخص کو بات سمجھ آگئی اور اس نے اس برے ارادہ سے توبہ کیا اور آپ ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا کی۔ یہ کاؤنسلنگ کی ہی ایک شکل ہے۔

اسی طرح ایک صاحب کو اپنے بچہ کے بارے میں شبہ تھا، ان کے رنگ اور بچے کے رنگ میں فرق تھا، حضور ﷺ نے اس کو اونٹ کی مثال دی اور کہا کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ کسی اونٹ اور اس کے بچے کے رنگ میں فرق ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کے اوپر کی نسل میں اس رنگ کا اونٹ رہا ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا تمہارے اوپر کی نسل میں بھی تو ہوسکتا ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا رنگ کھلا ہوا تھا، اور حضرت اسامہ رضی اللہ کا رنگ ڈھکا ہوا تھا، منافقین حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب پر انگلی اٹھاتے تھے، اتفاق سے حضرت زید اور حضرت اسامہ دونوں ایک جگہ چادر اوڑھے ہوئے سوئے تھے، اور دونوں کے تلوے کھلے ہوئے تھے، ان کے پاس سے ایک قیافہ شناس کا گذر ہوا، اس نے حضرت زید اور حضرت اسامہ کے تلوے کو دیکھ کر کہا کہ ان دونوں سونے والوں میں باپ بیٹے کا رشتہ ہے، جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کا تذکرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان کیا، تاکہ غلط فہمی کا ازالہ ہو، اور ماحول جو منافقین نے خراب کر رکھا ہے وہ درست ہو۔ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس زمانہ کے ٹکنالوجی سے فائدہ اٹھایا، حالاں کہ حنفیہ کے یہاں قیافہ شناسی حجت شرعی نہیں ہے۔ البتہ شوافع کے یہاں بعض معاملات میں اعتبار ہے۔

کسی مجلس میں ایک مالدار شخص آیا صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس کی مالداری کو دیکھ کر متاثر ہوگئے، آپ ﷺ نے مجلس میں بیٹھتے ہی فرمایا، لا عیش الا عیش الآخرۃ صحابہ مالدار کی حالت کو دیکھ کر متاثر تھے آپ ﷺ نے بیٹھتے ہی ان کے ذہن کو بدل دیا اور کہا دنیا کی زندگی اصل زندگی نہیں ہے یہ بھی کاؤنسلنگ کی ایک صورت ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کاؤنسلنگ کے تین طریقے کو بیان کیا ہے، اور اس میں لوگوں کی حالت کا بہتر طور پر اعتبار کیا ہے۔

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (سورة النحل:۱۲۵)

پہلا طریقہ غافلین کی کاؤنسلنگ کا بتایا کہ ان کے ساتھ مواعظ حسنہ سے کام لیا جائے، یہ طریقہ میاں بیوی، باپ بیٹا، دو بھائیوں کے درمیان کاؤنسلنگ کا مفید ہوگا۔

دوسرا طریقہ جاہلین اور ہٹ دھرم قسم کے لوگوں کی کاؤنسلنگ کا ہے۔ قرآن نے ان کے بارے میں کہا ہے؛ جادلھم بالتی ھی احسن یعنی جو لوگ کسی چیز کے منکر ہوں، ان کو دلیل کے

ساتھ قائل کرو، اس میں احسن اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا ہے، اس میں مبالغہ ہے کہ ایسے لوگوں سے ڈیبیٹ کیا جائے اور ان کو عمدہ دلائل سے اپنی بات سمجھائی جائے۔

ایک معاملہ حیدر آباد میں میاں بیوی کا آیا اس میں بیوی نے کہا کہ مجھے شوہر سے الگ بٹھایا جائے ورنہ وہ بد معاش قسم کا آدمی ہے وہ مجھ پر تیزاب پھینک دے گا۔ جب وہ صاحب آئے تو اس سے بات کی گئی اور قرآن ہاتھ میں دے کر قسم لی گئی وہ کانپنے لگا اور کہا کہ پولس والوں نے میری کتنی پٹائی کی مجھے یاد نہیں اور میں بھی کتنی مرتبہ پولس والوں سے لڑا یہ بھی مجھے یاد نہیں، کبھی خوف زدہ نہیں ہوا، آج آپ نے مجھ سے قرآن دے کر قسم لی تو مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ بہر حال مواعظ حسنہ ان کے لیے ہے جو غلطی کر رہا ہو لیکن اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہو جیسے پوتی کا مسئلہ ابھی کسی مقرر نے بیان کیا کہ چچا کی موجودگی میں اس کو حصہ نہیں ملے گا، لیکن اگر اس کے والد نے دادا کے کاروبار میں محنت کی ہو اور اس سے کچھ کمایا ہو تو اس میں اس کو حصہ ملے گا۔ یہ وہ دلیل تھی جو چچا کو سمجھ میں آ گئی اور معاملہ افہام و تفہیم کے ذریعہ حل ہو گیا۔

تیسرا طریقہ اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما کا ہے، اس کی مثال میڈیا کے ڈیبیٹ کے بائیکاٹ کی ہے۔ وہ مسلمانوں کو ان کی بات سننے کے لیے نہیں بلاتے ہیں، بلکہ ان کو یا تو بات کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ان کی بات توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں، اور ان سے طرح طرح کے بے جا سوالات کرتے ہیں۔

صلح کرانا بہترین عمل ہے، اللہ تعالیٰ نے صلح کو خیر کہا ہے۔ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (القرآن)۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ جماعت سے نماز پڑھی، حتی کے جنگ کے موقع پر بھی صلاۃ الخوف پڑھی جاتی ہے، سوائے جنگ خندق کے اور بنو سلمٰی کے خاندان کو سمجھانے گیے ہوئے تھے، صحابہ کرام مسجد نبوی میں عصر کی نماز کے لیے بیٹھے ہوئے تھے، عصر کی نماز کا وقت ختم کے قریب ہو گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ نماز پڑھا دیں تو آپ نے کہا کہ میں آپ ﷺ کے رہتے ہوئے نہیں پڑھا سکتا، آپ پر احترام کا غلبہ تھا، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف کو نماز پڑھانے کو کہا تو آپ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے، آپ رضی اللہ عنہ پر اطاعت رسول ﷺ کا غلبہ تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر احترام رسول کا، نماز کے دوران ہی آپ ﷺ تشریف لے آئے، تو حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے تو آپ ﷺ نے اشارہ سے منع فرما دیا۔ اس واقعہ میں ایک پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ خود بنو سلمہ کے پاس چل کر گئے۔ قاضی کا مسئلہ تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کے گھر نہیں جا سکتا ہے، البتہ ائمہ کو چاہئے کہ اگر صلح کا موقعہ ہو اور ان کو جانکاری ہو تو ان کو لوگوں کے صلح کے لیے گھروں پر جانا چاہئے، یہ انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ اگر ہمیں کوئی بلائے گا تو میں جاؤں گا، ورنہ نہیں۔ لڑائی کے بعد سر پھوٹنے کا انتظار نہیں کرنا چاہئے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صلح کے لئے جماعت کے چھوٹنے کو گوارہ کیا اور صلح کی کوشش کی۔

کاؤنسلنگ اہم کام ہے، اس کا کام جہاں تفہیم ہے وہیں اس سے اہم کام تربیت کا ہے جیسے مکاتب میں کلمہ یاد کراتے ہیں، بڑھاپے تک کلمہ یاد رہتا ہے، ہم اپنی نسلوں کو معاملات کا طریقہ نہیں بتاتے ہیں، تجارت کی سنت کیا ہے، کیا مناھی ہیں، معلوم نہیں ہے، باپ ہبہ

کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ ہبہ اور وصیت کا فرق نہیں جانتا ہے، ہبہ میں وسعت ہے، اور وصیت میں تحدید ہے، لوگ ان دونوں کو ایک کر دیتے ہیں، آج کل اپنی حیات ہی میں تقسیم کر دینا ٹھیک ہے، کیوں کہ بعد میں ظلم وزیادتی ہوتی ہے، مرحوم کی بیوی یعنی ماں کا حصہ نہیں نکالا جاتا ہے، حالاں کہ والدہ کو شوہر کے انتقال کے بعد بہت ضرورت ہوتی ہے۔ علاج کے لیے دوسرے کاموں کے لیے بچوں میں لڑائی ہوتی ہے، بعض دفعہ بچوں سے زیادہ ماں کو ضرورت ہوتی ہے، ہبہ میں برابر دینا چاہئے اولاد کو۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں بشیر کی دو بیویاں تھی، ایک بیوی کے بچے کو دے رہے تھے دوسری بیوی کی اولاد کو نہیں دے رہے تھے، تو آپ ﷺ نے گواہ گواہ بننے سے انکار کر دیا، ایک رائے فقہاء کی ہے کہ برابر دے، دوسری رائے امام ابویوسف اور امام احمد بن حنبلؒ کی ہے کہ نزاع کو ختم کرنے کے لیے جو ھبہ کیا جائے، بطور وراثت تقسیم کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہبہ کی شرطیں میں بہت سخت ہیں، ہبہ مقسوم ہو، اکثر ہبہ نامے شرطوں پر نہیں اترتے ہیں۔ ہبہ نامہ کا فارم بناتے وقت اس کی ساری شرطوں کو ملحوظ رکھنا چاہے۔ طلاق کے معاملہ میں بھی غلط فہمی ہے، حتی کہ سپریم کورٹ کے وکلاء کو بھی غلط فہمی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہر طلاق اور میاں بیوی کی علیحدگی کے بعد ایک ساتھ دوبارہ رہنے کے لیے حلالہ ضروری ہے۔ حالاں کہ حلالہ صرف ایک اتفاقی چیز ہے کہ پہلے شوہر نے طلاق مغلظہ دے دی اور عورت نے دوسری شادی کر لی، اور پھر دوسرے شوہر کا انتقال ہو گیا تو پھر سابق شوہر سے شادی کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ اس میں بھی مردوں کی زیادتی کو روکنے کے لیے یہ حکم دیا گیا تھا کہ پہلے مرد سو سو طلاق دے کر بیوی کو اپنے نکاح میں روک لیتا تھا اور ظلم کرتا تھا، اس لیے حکم دیا گیا کہ طلاق مغلظہ دے کر پھر عورت پر ظلم کرنے کے لیے نہیں رکھ سکتے ہیں۔

صلح عبادت سے بہتر ہے، آپ ﷺ نے صلح کو عبادت پر فوقیت دی، آپ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا یہ میرا نواسہ ہے جو مسلمانوں کے دو گروہ کے درمیان صلح کرائے گا، اس لیے حقیقت میں قائد وہ ہے جو لوگوں کے اختلاف کی صورت میں لوگوں کے درمیان جا کر صلح کرائے۔

واخردعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ غار میں تھے، میں نے مشرکین کے پاؤں کی طرف دیکھا، وہ ہمارے سروں پر تھے، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! ان میں سے کوئی اگر اپنے پاؤں کے نیچے دیکھ لے تو ہم انہیں نظر آ جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! ان دو لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔

صحیح - متفق علیہ

خدمت خلق اور اسلام

عبد العلیم بن عبد الحفیظ سلفی

مذہب اسلام ایک آفاقی مذہب Universal religion ہے، جسے رب کائنات نے قیامت تک کے لیے ساری دنیا کا آخری اور سچا مذہب قرار دیا ہے، فرماتا ہے:

(إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ) (سورة آل عمران:۱۹)

(اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے۔)

اور اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتا ہے:

(وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ) (سورۃالانبیاء:۱۰۷)

(ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔) چنانچہ خالق باری پر ایمان ویقین، اس کا تصور اور اس کے احکامات پر عمل اور اس کی دعوت اسلام کا بنیادی عنصر ہے اور یہی ایمان ویقین اور تدبر وتعامل ہمیں اس کی کاری گری میں غور وفکر اس کی مخلوق کی حیثیت اور اس کی ضرورت کو سمجھنے اور پرکھنے کا راستہ دکھاتا ہے، جس کے ذریعہ مخلوق کی واجب ضروریات اور احتیاجات کی تکمیل کی اہمیت وضرورت کا پتہ چلتا ہے جسے ہم عام اصطلاح میں خدمت خلق سے تعبیر کرتے ہیں۔

خدمت خلق اور لوگوں کی ضرورتوں کو پوری کرنا نہایت ہی عظیم فضل کا حامل اور ان اعمال صالحہ میں سے ہے جن کے ذریعہ بندہ اللہ رب العزت کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے اس نیک عمل کی وصیت بھی کی ہے، فرماتا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [الحج: ۷۷]

(اے ایمان والو! (اللہ کے لیے) رکوع کرو، سجدہ کرو اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر وبھلائی کا کام کرو تاکہ کامیاب ہو سکو)۔

لہٰذا خدمت خلق ایسی نیکی ہے جو اللہ رب العزت کو بہت زیادہ محبوب ہے، یہ ایک عبادت بھی ہے۔

اسی لیے شریعت اسلامیہ میں اس کی بہت زیادہ اہمیت وفضیلت بتلائی گئی ہے۔ اور اس کی اہمیت وضرورت کو نہایت ہی بلیغانہ انداز میں بیان کرکے مسلمانوں کو خدمت خلق پر ابھارا گیا ہے اور اگر یہ خدمت انسان کی ہو خواہ حیوان کی خلوص وللّٰہیت کے ساتھ کی جائے تو معمولی سا معمولی کام بھی جہنم سے آزادی اور جنت میں داخلہ کا سبب بن سکتا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا، نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة، ومن يسّر على معسر، يسّر الله عليه في الدنيا والآخرة ......، والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه " (صحيح مسلم /٢٦٩٩)"

جس نے کسی مومن کی کسی دنیاوی تکلیف کو دور کیا تو اللہ تعالی آخرت میں اس کی کسی تکلیف کو دور فرمادے گا، اور جس نے کسی فقیر محتاج کی مدد کی تو اللہ دنیاو آخرت میں اس کی مدد کرے گا، اللہ بندے کی مدد اس وقت تک کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے"۔

اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه بها كربة من كرب يوم القيامة "(صحيح بخاری /٢٤٤٢ وصحيح مسلم/٢٥٦٤) "

جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی کسی تکلیف کو دور کیا تو اللہ تعالی آخرت میں اس کی کسی تکلیف کو دور فرمادے گا "۔

نیز صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" السَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالمِسْكِينِ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوِ القَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ "(صحيح بخاری /٥٣٥٣ وصحيح مسلم/٢٩٨٢) "

بیوہ اور مسکین کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یارات میں تہجد گذاراور دن میں روزہ دار کی طرح ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ کار خیر میں لوگوں کی کسی بھی طرح کی مدد اوران کا تعاون عظیم نیکی ہے جس کا کرنے والا دنیاو آخرت میں عظیم اجر سے نوازہ جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے تمام انبیاء ورسولوں نے خود دوسروں کی خدمت کی ہے اور اس کی تلقین و تاکید بھی کی ہے۔

خدمت خلق کا مطلب : خدمت خلق ایک جامع تصور ہے جو اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے، مختصر الفاظ میں اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ: "رضائے الہی کے لیے تمام مخلوق خصوصاً انسانوں کے ساتھ جائز امور میں مدد دینا خدمت خلق ہے"۔ ہم اسے موجودہ اصطلاح میں social welfare service کہہ سکتے ہیں۔

خدمت کا تعلق : خدمت خلق کے بنیادی دو حصے ہیں جن میں ایک کا تعلق جانوروں کے ساتھ ہے اور دوسرے کا انسانوں کے ساتھ۔ جہاں اللہ تبارک وتعالی نے انسان کے ساتھ اچھے معاملات کا حکم دیا ہے وہی پر غیر انسان کے ساتھ کئے جانے والے سلوک پر بھی اپنی رضاو ناراضگی کا اظہار کیا ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" ایک آدمی راستہ میں چل رہا تھا اسی دوران اس کو بہت زور کی پیاس لگی۔ اس کو ایک کنواں ملا جس میں اس نے اتر کے پانی پیا، پھر جب وہ باہر نکلا تو اس نے ایک کتے کو پایا کہ وہ زبان نکالے ہوئے ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے مٹی چاٹ رہا ہے، یہ دیکھ کر اس نے کہا: اس کتا کی پیاس سے وہی حالت ہے جو میری تھی۔ لہذا وہ کنواں میں اترا پھر اپنا چمڑا والا موزہ پانی سے بھرا اور کتا کو پلایا، اس پر کتے نے اللہ سے اس کا شکریہ ادا کیا، اور اللہ نے اس کام کی قدر کی، اور اس کو بخش دیا، یہ سن

کر صحابہ کرام نے آپ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول کیا ہمارے لیے جانوروں میں بھی اجر و ثواب ہے؟

آپ (ﷺ) نے جواب دیا کہ ہر تر و تازہ یعنی زندہ جگر والے میں اجر ہے۔(صحیح بخاری /۳/ ۱۷۳، ۲۳۶۳)

ایک دوسری متفق علیہ روایت میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ایک کتا ایک کنواں کے ارد گرد گھوم رہا تھا۔ قریب تھا کہ پیاس کی وجہ سے مر جائے۔ اسی دوران اچانک اس کو بنو اسرائیل کی ایک زانیہ عورت نے دیکھ لیا تو اس نے اپنا چمڑا والا موزہ نکال کے اس کے ذریعہ پانی نکالا اور پھر اس کو پلا دیا۔ جس کی وجہ سے اس کو بخش دیا گیا۔(صحیح بخاری / ۳۲۸۰ و صحیح مسلم / ۱۷۱/۴)

ان دونوں احادیث سے خدمت خلق کے عظیم ثواب کا پتہ چلتا ہے۔ اخلاص کے ساتھ انجام دی گئی ایک معمولی خدمت اور وہ بھی ناپاک جانور کے ساتھ اللہ کی مغفرت و رضامندی کا باعث بن گئی۔ اس سے بڑا اجر و ثواب اور کیا ہو سکتا ہے۔ یقیناً یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

خدمت خلق کا دوسرا حصہ انسان کے ساتھ ہے جو مسلم، غیر مسلم، قریبی، رشتہ دار، پڑوسی، دوست واحباب، اہل قریہ اور اہل وطن سب کے ساتھ عام ہے، بلکہ ضروریات وحالات کے حساب سے اس کی ضرورت واہمیت بڑھتی جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض حالات میں فرض وواجب بھی ہوتا ہے جیسے والدین کی خدمت وغیرہ۔

خدمت خلق کی صورتیں: خدمت خلق کسی ایک صورت میں محدود نہیں ہے بلکہ اس کی بے شمار اور مختلف صورتیں ہیں مثلاً:

پیار و محبت کے ساتھ اچھے اسلوب میں بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

ضرورت مند کو اپنے کاروبار اور زراعت وغیرہ میں شریک کرنا۔ کسی کو اچھا و نیک مشورہ دینا جس سے مشورہ کرنے والے کا بھلا ہو۔ کسی بیمار کا علاج کرا دینا۔

اس کی عیادت کرنا اس کے لیے دعاء کرنا، صحیح مسلم کے اندر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل قیامت کے روز کہے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو تونے میری عیادت نہ کی؟ وہ آدمی کہے گا: اے رب تو تو رب العالمین ہے میں تیری عیادت کیسے کر سکتا تھا؟ تو اللہ فرمائے گا: تجھے پتہ نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے، اس کے باوجود تونے اس کی عیادت نہ کی؟ کیا تجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی زیارت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا (صحیح مسلم /۲۵۶۹)

یعنی میری رضا، میرا ثواب اور میری کرامت اس کے پاس پاتا۔(مشکل الحدیث وبیانہ / ۱:۱۵۲، مرعاۃ المفاتیح / ۵:۲۱۷)

اسی طرح کسی بھوکے پیاسے کو کھانا و پانی دینا، اللہ عزوجل قیامت کے روز کہے گا: "اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تونے مجھے کھانا نہیں دیا؟" وہ آدمی کہے گا: اے رب تو تو رب العالمین ہے میں تجھے کیسے کھلا سکتا تھا؟ تو اللہ فرمائے گا: کیا تجھے پتہ نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تونے اسے نہیں دیا تھا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اسے کھلاتا تو اسے میرے پاس پاتا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تونے مجھے پلایا نہیں؟" وہ آدمی کہے گا: اے رب تو تو رب العالمین ہے میں تجھے کیسے پلا سکتا تھا؟ تو اللہ فرمائے گا: کیا تجھے پتہ نہیں کہ میرے فلاں

بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تو نے اسے نہیں دیا تھا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اسے پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا۔(صحیح مسلم/ ۲۵۶۹)

اسی طرح کسی محتاج کے گھر میں یا محلے میں یا عام گزر گاہوں پر پینے کے پانی کا وقتی یا دائمی انتظام کر دینا۔

اسی طرح کسی غریب وضرورت مند کی مادی ومعاشی مدد کر دینا، صحیح بخاری کے اندر ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔(صحیح بخاری/ ۲۸۸۱)

نیز یتیموں و غریبوں کی شادی کرا دینا اور اس کے لیے اسباب فراہم کر دینا وغیرہ۔ کسی حاجت مند کو بنا سود کے قرض دینا۔ کوئی سامان کچھ مدت کے لیے ادھار دینا۔ کسی کو تعلیم دلا دینا۔ قوم وملت کے بچوں کے لیے تعلیمی ادارے قائم کرنا۔ ننگے بدن کو لباس فراہم کرنا۔ درخت اور پودا لگا دینا جس سے انسان و حیوان فائدہ اٹھائیں۔ کسی زخمی کی مدد کر دینا۔ کسی بھولے بھٹکے کو راستہ بتا دینا۔ کسی مسافر کی مدد کر دینا۔ بیوہ، یتیم اور مسکین افراد کی مدد کی خاطر رفاہی ادارے قائم کرنا۔

اسی طرح کسی کی جائز سفارش کے ذریعہ کوئی مسئلہ حل کر دینا، بخاری اور مسلم کے اندر ابو موسی اشعرری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کوئی اپنی ضرورت لے کر آتا تو آپ ﷺ فرماتے: کوئی اس کی سفارش کرے اسے ثواب ملے گا، اللہ تعالی اپنے نبی کی زبان کے ذریعہ اسے چاہے تو پورا کر دے۔(صحیح بخاری/ ۵۲۸۳و صحیح مسلم/ ۲۶۲۷)

اسی طرح کسی کا کام کرنے کے لیے اس کے ساتھ جانا۔ کسی کو گاڑی کے ذریعہ اس کے گھر یا منزل مقصود تک پہونچا دینا۔ اپنے کام کے ساتھ دوسرے کا بھی کام کر دینا۔ مثلا اپنا سامان خریدنے گئے دوسرے کا سامان بھی لیتے لائے۔ کسی مظلوم کا حق دلا دینا۔ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا۔ وغیرہ، غرضیکہ حسب استطاعت خدمت خلق کی بے شمار صورتیں ہیں۔

خدمت خلق کے دینی ودنیاوی فائدے: خدمت خلق کے بے شمار دینی ودنیاوی فائدے بھی ہیں، جن میں سے چند کا ذکر کرنا مناسب ہے۔ خدمت خلق سے معاشرے میں، رشتہ داروں اور احباب میں محبت والفت پھیلتی ہے۔ خدمت خلق نیکی کرنے کے بہترین وسائل میں سے ہے۔ خدمت خلق اللہ کی قربت کا ذریعہ اور اللہ کے نزدیک اجر کا سبب ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ﴾

(جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجوگے اسے اللہ کے یہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤگے)[المزمل: ۲۰]

خدمت خلق کے لیے لوگوں انتخاب خود اللہ رب العزت کرتا ہے: امام طبرانی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں لوگوں کے فائدے کے لیے نعمتوں کے ساتھ خاص کر رکھا ہے۔(طبرانی: الاوسط/ ۶۱۶۲)

خدمت خلق کرنے والے سے اللہ تعالی محبت کرتا ہے: ابن ابی الدنیا اور طبرانی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ آدمی ہے جو لوگوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہو، اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کسی مسلم کو خوشی دینا یا اس کی کسی تکلیف کو دور کرنا یا اس کا قرض ادا کر دینا یا اس کی بھوک مٹا دینا ہے۔ اور میں کسی بھائی کے ساتھ اس کی کسی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے چلوں وہ میرے نزدیک اس مسجد یعنی مسجد مدینہ میں ایک ماہ اعتکاف کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے ۔(طبرانی: الاوسط/ ۶۰۲۶)

لوگوں کی ضروریات کو پوری کرنے والے کی مدد اللہ تبارک وتعالی کرتا ہے، تعاون علی الخیر ایک اہم انسانی ضرورت ہے جس سے معاشرے کا کوئی بھی فرد بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ خدمت خلق معاشرے کی اجتماعیت کے اسباب میں سے ایک ہے : متفق علیہ روایت میں ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: "مومن مومن کے لیے دیوار کی بنیاد کی طرح ہے جو ایک دوسرے کو مضبوطی سے تھامے رہتا ہے" پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملایا۔(صحیح بخاری/ ۵۵۹۴ و صحیح مسلم/ ۴۸۱۲)

خدمت خلق سے آپسی بھائی چارے اور محبت والفت کو راہ ملتی ہے: صحیح مسلم میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:" آپسی الفت ورحمت اور نرمی میں مومن کی مثال جسم کی طرح ہے، جس کے ایک حصے کو بیماری ہوتی ہے تو سارا جسم اس سے متاثر ہوتا ہے"۔(صحیح بخاری/ ۶۰۱۱ و صحیح مسلم/ ۲۵۸۶)

خدمت خلق کرنے والا قیامت کے دن اللہ کی امان میں ہوگا: صحیح مسلم کے اندر ہے: "جس نے غریب قرضدار کو مہلت دیا یا قرض کو معاف کر دیا اللہ تعالی اسے اپنے عرش کے سایے میں رکھے گا"۔(صحیح مسلم/ ۳۰۰۶)

ایک روایت میں ہے :"سب سے افضل عمل مومن کو خوشی پہنچانا ہے، اسے کپڑا پہنانا، اس کا بھوک مٹانا یا اس کی کوئی ضرورت پوری کر دینا"(علامہ البانی نے اس روایت کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔ صحیح الترغیب والترہیب/ ۲۶۲۱)

خدمت خلق سے بے اعتنائی برتنے والا اللہ تعالی کی ناراضگی کا شکار ہوگا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: " کوئی حاکم جب کسی ضرورت مند، فقیر ومسکین کے لیے اپنا دروازہ بند کر دیتا ہے تو اللہ تعالی اس کی ضرورت وحاجت کے وقت آسمان کے دروازے بند کر دیتا ہے ، اسی وجہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ نے باضابطہ ایک آدمی کو لوگوں کی ضروریات سننے پر مامور کیا تھا۔(سنن الترمذی)

خدمت خلق اور سیرت نبوی ﷺ: خدمت خلق میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمارے لیے اسوہ وہ نمونہ ہے، آپ نے نہ یہ کہ مسلمانوں کو ابھارہ ہے اور اس کی فضیلت بیان کی ہے بلکہ آپ نے خود ہر موقع سے اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لیا ہے، آپ کبھی بھی کسی بیوہ، مجبور یا مسکین کے ساتھ جا کر اس کی ضرورت پوری کرنے کو حقیر نہیں سمجھتے اور نہ کسی کو منع کرتے۔

بچپن سے لے کر وفات تک آپ کی زندگی میں ڈھیروں واقعات ملتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ کس طرح آپ لوگوں کی خدمت میں حریص تھے اور پیش پیش رہا کرتے تھے، موقع کی مناسبت سے ان میں سے چند واقعات کی طرف اشارہ کر دینا مناسب ہے:

صحیحین کے اندر اور سیرت کی تقریباً تمام کتابوں کے اندر اس واقعہ کا ذکر ملتا ہے جس میں آپ کی پہلی ملاقات جبرئیل علیہ السلام سے ہوئی تو آپ شدت خوف سے کافی پریشان تھے ایسے موقع سے خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

اللہ کی قسم ! اللہ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور کمزوروں کی مدد کرتے ہیں، محتاج کو مالی مدد دیتے ہیں، مہمان نوزی کرتے ہیں اور مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔(صحیح بخاری /۳، صحیح مسلم /۲۳۱)

صحیح بخاری کے اندر انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ میں ایک لونڈی تھی جب اسے کسی قسم کی ضرورت پیش آتی تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں چاہتی لے جاتی اور آپ اس کی ضرورت کو پوری کرتے۔(صحیح بخاری /۶۰۷۲)

صحیح مسلم کے اندر ہے کہ ایک ذہنی طور پر معذور عورت نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میری ایک ضرورت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اے ام فلاں! کہاں چلنا ہے، بولو تا کہ تمہاری ضرورت پوری کر سکوں؟ پھر آپ اسے کسی راستے پر لے کر گئے یہاں تک کہ اس نے اپنا کام ختم کر لیا۔(صحیح مسلم /۲۳۲۴)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اللہ کی قسم ہم لوگ سفر وحضر میں ہر جگہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہے، آپ ہم میں سے بیماروں کی عیادت کرتے، ہمارے جنازوں میں شریک ہوتے، ہمارے ساتھ غزوہ میں ہوتے اور تھوڑے بہت سے ہماری دلجوئی فرماتے۔(مسند احمد /۱:۲۴۶، شیخ احمد شاکر نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔)

خدمت خلق میں اسلاف کا کردار: خدمت خلق کی انہیں فضیلتوں اوراہمیت کے پیش نظر ہمارے اسلاف ریاء ودکھاوہ سے بچتے ہوئے ہمہ دم اس کار خیر میں پیش پیش رہا کرتے تھے، کیا حاکم، کیا امیر کیا غریب سب کے سب اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں آتا ہے کہ آپ راتوں میں اٹھ کر گلیوں کے چکر لگاتے اور ضرورت مند کی ضرورتوں کو پوری کر دیتے۔ خدمت خلق میں مکہ کی وادیوں سے لے اسپین تک اور ایران سے لے کر روم تک عرب وعجم ہر جگہ اسلاف کے بے شمار کارناموں کے نقوش ملیں گے، جن سے تاریخ کے صفحات بھی بھرے پڑے ہیں، اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو بحث لمبی ہوتی چلی جائے گی۔

ماضی قریب میں خدمت خلق کا یہی جذبہ تھا کہ پوری دنیا میں عوام وخواص سب کی طرف سے قائم کئے گئے رفاہی وتعلیمی اداروں کا ایک جال بچھا ہوا ہے، اللہ ان اداروں کو قائم ودائم رکھے اور ان کے قائمین کو دنیا وآخرت میں بہترین اجر سے نوازے۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسلاف کے اس میراث کو نیک دلی کے ساتھ آگے لے کر بڑھیں، اور وقت کے مطالبات وضروریات اور نئے وسائل وذرائع کو بروئے کار لا کر قوم وملت اور خلق باری کی خدمت کا فریضہ انجام دیں اور اس راہ میں مزید کوشش وتگ ودو کریں۔

خدمت خلق میں زکوٰۃ کا رول : اسلام کا اہم رکن زکاۃ دینی وروحانی اہمیت وفوائد رکھنے کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کا وہ اہم ذریعہ اور مضبوط ستون ہے جس کی مثال دنیا کے کسی بھی مذہب میں ملنا مشکل ہے اس کے مصارف اور افراد و معاشرے پر اس

کے اثرات کا بغائر مطالعہ کرنے سے خدمت خلق کے تئیں اسلام کی پیش رفت اور اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں تک کہ صدقہ جاریہ کی فضیلت کو بیان کرکے مسلمانوں کو خدمت خلق کے لیے اس اہتمام کی طرف کی راہنمائی کی ہے کہ دنیا سے جانے کے بعد بھی مخلوق مستفید ہوتی رہے۔

زکوۃ وصدقات نے معاشرہ سے لے کر ممالک ودول تک کتنے خدمات انجام دئے ہیں کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے، اگر سچ کہا جائے تو صدقات وزکوۃ کا نظام ایک ایسا نظام ہے جس نے معاشرے کی خدمت میں سب سے زیادہ اپنا رول نبھایا ہے او راس کی ضرورت ہر دور اور ہر معاشرے کو ہے اور یوں بھی انسان کے لیے عالمی اور معاشرتی ہر دو پیمانے پر اس سے بڑی خدمت کوئی دوسری نہیں ہو سکتی ، تعلیم وتعلم، دعوت وارشاد، معاشی ومعاشرتی پریشانیوں کا حل، ملک کی ترقی، افراد قوم کی پرسکون زندگی، بیوہ ویتیم اور مساکین وفقراء کی اطمینان بخش زندگی، آفات ناگہانی اور مصائب وبلایا میں گرفتار افراد وقوم کی مدد، طبی خدمات، ماحولیاتی مسائل کا حل اور ان کے علاوہ زندگی کے ہر شعبے میں زکوۃ وصدقات کا اہم بلکہ نہایت ہی اہم اور واجبی رول ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جہاں لوگوں کو اللہ کی جانب سے فرض کردہ زکوۃ کے ساتھ ساتھ عمومی صدقات پر ابھارہ ہے اور خود پوری زندگی اس کا نہایت ہی زیادہ اہتمام کیا ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ آپ سے کوئی سوال کرتا تو آپ کبھی نا نہیں کرتے۔(صحیح بخاری / ۶۰۳۴، صحیح مسلم / ۲۳۱۱)

آپ رمضان میں جب جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی صدقہ وخیرات میں بہتی ہواؤں سے بھی زیادہ تیز ہوتے۔(صحیح بخاری / ۴۹۹۷، صحیح مسلم / ۲۳۰۸)

اسی طرح صدقۃ الفطر اور قربانی کے گوشت کے بعض مصارف خدمت خلق کی بہترین مثالیں ہیں۔

یہاں یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ خدمت خلق کو سوشل ورک (Social work) یا سوشل اکٹیویٹیز (social activities) کا نام دے کر ہمارے غیر نے اس شعبہ میں غیر معمولی کام کیا ہے اور بلاشبہ انہوں نے اپنے افکار ونظریات کو دنیا میں رائج کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے یہی نہیں بہت حد تک اسلامی افکار اعمال کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔

ماضی میں جہاں ہم نے انہیں خدمات کی بنیاد پر آدھی دنیا پر کامیاب حکومت کی تھی رفتہ رفتہ ہماری کم ہمتی اور قصور عمل اور دیگر اسباب تنزل نے ہمارے تمام خصائص وخوبیوں کو دوسروں کے حوالے کردیا، جس نے ہماری قوم کو مادی، معاشی، معاشرتی، سیاسی، تعلیمی اور تنظیمی اعتبار سے نہایت ہی کمزور کردیا ہے، اور آج ہم پستی کی اس حالت میں پہنچ گئے ہیں کہ تخریبی وتحزیبی جماعتوں کے شر سے بچنے کے لیے اپنا قائد ورہنما غیروں میں تلاش کرنے پر مجبور ہیں، جو ہماری کمزوریوں کا فائدہ اٹھانا خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔

* * * * * * *

سیلاب کی تباہ کاریاں

اربابِ اقتدار کی نااہلی اور بدانتظامی کی داستان

سعد میر

پاکستان، دنیا میں فی کس آمدنی کے حساب سے ۱۶۰ویں[۱] نمبر پر ہے۔ Charities Aid Foundation کے World Giving Index 2021 میں پاکستان کی عوام کل آبادی کے تناسب سے اپنے ہم وطنوں کی امداد کے لیے مال اور وقت لگانے کے حساب سے رینکنگ میں ۱۰۷ویں نمبر پر ہے۔ پاکستان ۲۰۱۱ء میں ۳۴ اور ۲۰۱۳ء میں اس رینکنگ میں ۵۳ نمبر پر تھا۔[۲]

اس درجہ بندی میں بتدریج کمی آبادی کی بگڑتی ہوئی معاشی حالت کی نشان دہی کرتی ہے۔ رپورٹ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ایک بڑی تعداد میں افراد دوسروں کی مدد کرنے کے لیے تیار تو ہیں لیکن اپنے خاندان کو روٹی مہیا کرنے میں ہی ان کا تمام وقت صرف ہو جاتا ہے۔ آبادی کا ۴۰ فی صد طبقہ اگر کسی دن محنت مزدوری نہ کر پائے تو گھر میں فاقہ ہو جاتا ہے۔[۳]

اس کے باوجود اگر امدادی رقم کو مجموعی آمدن کے تناسب سے دیکھا جائے تو پاکستانی عوام کا شمار دنیا میں سب سے زیادہ خیرات دینے والے ممالک میں ہوتا ہے۔ پاکستان اپنے جی ڈی پی کا ایک فی صد سے زیادہ صدقہ، خیرات میں دیتا ہے، جو اسے برطانیہ (۱.۳ء فی صد) اور کینیڈا (۱.۲ء فی صد) جیسے بہت زیادہ امیر ممالک کی صف میں دھکیل دیتا ہے۔

2005ء کا زلزلہ ہو یا ۲۰۱۰ء اور ۲۰۱۱ء کا سیلاب، عوام نے اپنی تمام جمع پونجی متاثرین کی بحالی میں لگا دی۔ گیلپ سروے کے مطابق بڑی تعداد میں افراد اسے اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ عوام کا یہ جذبہ و قربانی، متاثرین کی فوری مدد کا واحد سہارا ہے اور اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ تمام تر امداد کسی منظم طریقے سے استعمال میں نہیں لائی جاتی، جس کی وَجہ سے کچھ علاقوں میں امداد کی بہتات ہو جاتی ہے اور اکثر علاقے محروم رہتے ہیں۔

2005ء کے زلزلے کے بعد ریاست نے بلند و بالا دعوے کیے، کہ ہم تباہ شدہ شہروں کو جدید طرز پر آباد کریں گے، جس کے بعد دنیا نے ۶.۲ء بلین ڈالرز مختلف صورتوں میں پاکستان کو دینے کا تہیہ کیا[۴]۔ مگر افسر شاہی کی نااہلی اور ناقص منصوبہ بندی کے باعث ہم دنیا کا اعتماد حاصل نہ کر سکے۔ بڑی تعداد میں امداد قرضوں کے صورت میں حاصل ہوئی، لیکن اس میں سے صرف ۱۰۰ ملین ڈالر قسطوں کی صورت میں انتہائی تاخیر کے بعد متاثرین تک پہنچ سکے۔

نئے شہر آباد کیا ہوتے، انھی کھنڈرات کو قدرت کے قوانین کی دھجیاں اڑا کر دوبارہ آباد کر دیا گیا۔ نئی اتھارٹیز کا قیام عمل میں لایا گیا جو سرکاری خزانہ پر مستقل بوجھ کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ ایک برطانوی رپورٹ نے ۲۰۱۰ء میں بتایا کہ ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے بعد ملنے والی ۳۰۰ ملین پاؤنڈ سے زیادہ کی امداد کو دوسرے منصوبوں کی طرف موڑ دیا گیا تھا[۵]۔

دنیا میں ہر سال ۲۰ ہزار سے زائد زلزلے آتے ہیں اور خدانخواستہ دوبارہ ایک زلزلہ ان علاقوں میں آ گیا تو اس دفعہ تباہی پہلے سے چار گناہ زیادہ ہو گی۔[٦]

اسی طرح آپ حالیہ سیلاب سے پہلے ۲۰۱۰ء اور ۲۰۱۱ء کے سیلاب سے تباہ شدہ بستیوں کو جا کر دیکھتے تو آپ کو سابقہ تباہی کے آثار تو ضرور مل جاتے، لیکن عقل ماتم کرتی کہ ریاست نے ہزاروں اموات اور مجموعی طور پر ۲۵ فی صد سے زائد علاقوں کی تباہی سے کیا سیکھا؟ جولائی ۲۰۱۰ء میں سیلاب سے متاثرہ خاندانوں کو گھر کی دوبارہ تعمیر کے لیے ستمبر ۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۱ء کے درمیان ۲۰۰۰۰ روپے فی خاندان دیے گئے۔ اور پھر ۲۰۱۱ء اور ۲۰۱۳ء کے درمیان بین الاقوامی امداد کے سہارے ۴۰۰۰۰ روپے دو قسطوں میں متاثرین کو دیے۔ یہ رقم جھونپڑیوں کی تعمیر نو کے لیے تو شاید کافی تھی لیکن اس میں سالوں کی تاخیر سے اس کی افادیت نہ رہی۔ لاکھوں متاثرین اے ٹی ایم کارڈ استعمال کرنا نہیں جانتے تھے، جس کی وَجہ سے ٹھگوں نے ان کی رقم بٹور لی۔ عالمی امداد اور قرضوں کی رقم کا ایک بڑا حصہ متاثرین تک قسطیں پہنچانے کے لیے خصوصی مراکز کے قیام، سرکاری اداروں کے اخراجات اور میڈیا مہم میں خرچ ہوا۔ اس کے علاوہ سروے، مانیٹرنگ اور نگرانی کے لیے مقامی اور بین الاقوامی کمپنیوں کو دل کھول کر فیس ادا کی گئی۔ ایشیائی ترقیاتی بینک سے شاہراہوں کی مرمت، بحالی اور تعمیر نو، سیلاب سے بچاؤ کے مختلف پشتوں کی بحالی، اور نہروں کے بنیادی ڈھانچے کی بحالی کے لیے مختلف مواقع پر قرض لیے گئے۔ اس سے متعلقہ ایک پراجیکٹ ۲۰۲۱ میں اختتام پزیر ہوا[۷]۔ بین الاقوامی اداروں کی ویبسائٹس امداد اور قرضوں سے پاکستانی عوام کی زندگیوں میں تبدیلیوں کے قصیدے پڑھ رہی ہے لیکن حالیہ سیلاب سے تباہی نے تمام حقیقت کھول کر رکھ دی ہے۔ آبی وسائل کی منصوبہ بندی تو دور کی بات ہے؛ صدیوں پرانے آبی گزر گاہوں اور دریا کی چھوڑی ہوئی زمینوں پر پہلے سے زیادہ تعمیرات بنالی گئی۔ عوام کی محفوظ علاقوں میں آباد کاری کے لیے کوئی جدوجہد نہ کی گئی۔ ۱۹۹۰ء کے بعد سے اب تک ملک میں پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت میں نہ ہونے کے برابر اضافہ ہوا ہے۔[۹]

جن کی وَجہ سے تباہی ہوئی انھی سے دادرسی کی امید لگالی گئی۔ اکتوبر ۲۰۱۰ء میں ایک امریکی جریدے نے ماہرین کی ایک رپورٹ پیش کی کہ سیلاب سے نقصان میں ۷۰ فی صد کردار کرپشن اور نااہلی کا ہے۔ اسی رپورٹ میں یہ انکشاف بھی کیا گیا کہ سیلاب کا زیادہ تر پانی سمندر تک نہیں پہنچ سکا اور بااثر افراد کی زرعی زمین کو بچانے کے لیے سیلاب کا رخ غریب عوام کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔[۸]

جن علاقوں میں ۲۰۱۰ء اور ۲۰۱۱ء میں تباہی ہوئی، حالیہ مون سون کی بارشوں سے انھی علاقوں میں دوبارہ سے جانی و مالی نقصان؛ نااہلی، بدعنوانی اور بدنیتی کا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟ دنیا سے جو ۲ بلین ڈالر سے زائد رقم موصول ہوئی اور ریاست کے اپنے وسائل

کے ضیاع کا کون جواب دہ ہے؟ دریا کے تحفظ کے خوب صورت عنوان سے جو نئے قوانین بنائے گئے اور آرڈیننس میں ترامیم کی گئی، اس کے عدم نفاذ کا کون ذمہ دار ہے؟ ماہرین نے مئی، جون میں ہی آنے والے سیلاب کی پیشین گوئی کر دی تھی تو اس کے باجود بروقت انتظامات سے قیمتی انسانی جانوں کو کیوں کر نہ بچایا گیا؟

پاکستان کی معیشت پہلے ہی شدید دباؤ کا شکار تھی۔ اَب سیلاب سے مزید تباہی آچکی ہے۔ وزیر خزانہ کے مطابق ملکی معیشت کو موجودہ سیلاب کے باعث دس بلین ڈالر کا نقصان ہوا ہے۔[۱۰] زراعت، لائیو اسٹاک اور انفراسٹرکچر شدید متاثر ہوا ہے۔ مہنگائی اور بے روزگاری میں مزید اضافہ ہوگا۔ خوراک کی ضروریات پوری نہیں ہو پائیں گی اور درآمدی بل میں اضافہ ہوگا۔ اَب تک انٹرنیشنل کمیونٹی کی جانب سے صرف ۵۰۰ ملین ڈالر کی امداد اور قرض کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔[۱۱] مگر ماضی کو دیکھتے ہوئے مقتدرہ کی جانب سے کچھ اچھے کی امید نہیں ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں میں اجتماعی شعور کو اُجاگر کیا جائے اور قومی سوچ اور ترقی کے خواہاں لوگ اس شعور کی روشنی میں اس نظام سرمایہ داری سے باہر نکلیں۔ نظام کو درست بنیادوں پر استوار کر کے اداروں کو مضبوط اور اہل لوگوں کے سپرد کرنا ضروری ہے، ورنہ ہر دوسرے سال اس قوم پر کسی نئی صورت میں مصیبتیں نازل ہوتی رہیں گی۔ عوام میں جذبہ تو باقی رہے گا، لیکن دن بدن امداد کرنے والوں کی تعداد میں کمی آتی رہے گی۔ (بشکریہ بصیرت افروز)

[1] Imf 2021 data

[2]https://ssir.org/articles/entry/philanthropy_in_pakistan

[3]https://www.thenews.com.pk/print/852321-poverty-in-pakistan-up-from-4-4pc-to-5-4pc-wb

[4] STAFF TRIP REPORT TO THE COMMITTEE ON FOREIGN RELATIONS UNITED STATES SENATE One Hundred Ninth Congress First Session December 2005

[5]https://tribune.com.pk/story/39306/aid-for-2005-pakistan-quake-spent-elsewhere-report

[6]ttps://www.jstor.org/stable/43615507

[7]https://www.adb.org/news/adb-approves-197-million-loan-highway-rehabilitation-pakistan

[8]https://www.scientificamerican.com/article/climate-change-deforestation-combine/

[9]https://knoema.com/atlas/Pakistan/topics/Water/Dam-Capacity/Total-dam-capacity

[10]ttps://dailycountrynews.com/article/28074

[11]https://www.dawn.com/news/1706855

کیا پاکستان کے کلائمیٹ متاثرین اور ان کے نقصانات کا ازالہ ممکن ہے؟

فریحہ فاطمہ

رواں برس مون سون کی بارشوں نے ملک کے بڑے حصے کو سیلابی صورتحال سے دو چار کر دیا ہے، ملک کے ہر حصے میں تباہی و بربادی کی تاریخ رقم ہو چکی ہے اور اس بربادی سے المیوں کی داستانیں جنم لے رہی ہیں۔

اس سال ہونے والی غیر معمولی بارشوں نے سینکڑوں افراد کی جانیں لیں، مکانات، کھڑی فصلیں، انفرااسٹرکچر، مال مویشی سب کچھ سیلاب میں بہہ گیا۔ لاکھوں لوگ ان قیامت خیز بارشوں میں اپنا سب کچھ گنوا بیٹھے اور اب بے سرو سامانی کی حالت میں خیموں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

محکمہ موسمیات کے مطابق اس سال ملک بھر میں مجموعی طور پر ۲۱۰ فیصد زائد بارشیں ہوئی ہیں، سب سے زیادہ بارشیں صوبہ سندھ اور بلوچستان میں ہوئیں جہاں بارشوں کی شرح بالترتیب ۵۰۸ اور ۵۰۶ فیصد زائد رہی۔ گلگت بلتستان میں ۱۴۸ فیصد، پنجاب میں ۸۶ فیصد اور خیبر پختونخواہ میں ۴۴ فیصد زیادہ بارشیں ہوئیں۔

نیشنل ڈیزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی (این ڈی ایم اے) کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۴ جون سے اب تک بارشوں اور سیلاب سے ۱۱ سو ۳۶ افراد جاں بحق اور ۱۶ سو سے زائد زخمی ہو چکے ہیں، ۱۰ لاکھ ۵۱ ہزار مکانات، ۱۶۲ پل، اور ۳۴ ہزار ۱۷ کلومیٹر سڑکیں تباہ ہو چکی ہیں، جبکہ ۷ لاکھ ۳۵ ہزار سے زائد مویشی مر چکے ہیں۔ ملک بھر میں اب تک سیلاب سے ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ سے زائد افراد متاثر ہوئے ہیں جبکہ وفاقی وزیر خزانہ مفتاح اسمٰعیل کا کہنا ہے کہ ابتدائی اندازوں کے مطابق اب تک ۱۰ ارب ڈالرز کا نقصان ہو چکا ہے۔

غیر معمولی بارشوں کی وجہ کیا بنی؟

دنیا بھر کے موسموں میں ہونے والے تبدیلی (کلائمٹ چینج) اور عالمی درجہ حرارت میں اضافے (گلوبل وارمنگ) کی وجہ سے تقریباً پوری دنیا میں اسی نوعیت کے شدید موسمی ایونٹس رونما ہو رہے ہیں، تاہم ترقی پذیر ممالک ان آفات سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں، جو بظاہر تو قدرتی آفات ہیں، لیکن اس کی وجہ انسانی سرگرمیاں ہیں۔

ورلڈ میٹرولوجیکل آرگنائزیشن کے مطابق انسانی سرگرمیوں (خاص طور پر صنعتی سرگرمیوں) کی وجہ سے ہماری فضا میں کاربن اور دیگر

مضر گیسز کا اخراج کہیں زیادہ ہو گیا ہے، جو زمین کا مجموعی موسم تبدیل کر رہی ہیں، نتیجتاً قدرتی آفات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور نہ صرف اضافہ ہو رہا ہے بلکہ ان کی شدت بھی بڑھ گئی ہے اور ان سے ہونے والے نقصانات کی شرح بھی کئی گنا زیادہ ہو گئی ہے۔

اس وقت گرین ہاؤس گیسز کے اخراج میں سب سے زیادہ حصہ دار چین اور امریکا ہیں، چین نے سال ۲۰۱۹ میں ۹ ہزار ۸۷۷ میگا ٹن گرین ہاؤس گیسز کا اخراج کیا، امریکا ۴ ہزار ۵۴۷ میگا ٹن گرین ہاؤس گیسز کے اخراج کے ساتھ اس فہرست میں دوسرے نمبر پر ہے۔

امریکی ادارہ برائے تحفظ ماحولیات کے مطابق عالمی طور پر خارج کی جانے والی گرین ہاؤس گیسز میں چین ۲۷ فیصد اور امریکا ۱۵ فیصد کا حصے دار ہے۔ دوسری جانب پاکستان کا گرین ہاؤس گیسز کا اخراج 1 فیصد سے بھی کم صرف ۰ء۶ فیصد ہے، تاہم جب کلائمٹ رسک انڈیکس کی ان ممالک کی درجہ بندی دیکھی جائے جو کلائمٹ چینج کے نقصانات سے سب سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں، تو پاکستان وہاں آٹھویں نمبر پر ہے، یعنی کلائمٹ چینج کے نقصانات سے براہ راست سب سے زیادہ متاثر ہونے والے ۱۰ ممالک میں پاکستان بھی شامل ہے۔

اور صرف پاکستان ہی نہیں، اس فہرست میں شامل تمام ممالک گرین ہاؤس گیسز میں اضافے کے تقریباً نہ ہونے کے برابر ذمے دار ہیں۔ یہ امیر ممالک کی ترقی اور صنعتی سرگرمیاں ہیں جو بڑے پیمانے پر پوری زمین کا موسم تبدیل کر رہی ہیں اور اس کا خمیازہ غریب ممالک کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ پرائم منسٹر ٹاسک فورس آن کلائمٹ چینج کے سابق رکن ڈاکٹر پرویز امیر کا کہنا ہے کہ کلائمٹ چینج اب کوئی مفروضہ نہیں رہا، یہ حقیقت بن چکا ہے اور نہایت خوفناک طریقے سے سامنے آ رہا ہے۔

ڈاکٹر پرویز امیر کا کہنا ہے کہ ہم دہائیوں سے اس خطرے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ کلائمٹ چینج سے پاکستان اور دیگر ترقی پذیر ممالک کو بے تحاشہ نقصانات ہوں گے، اور اب یہ خطرات حقیقت بن چکے ہیں۔

انھوں نے کہا کہ حالیہ مون سون بارشیں معمول کی بارشیں نہیں اور یہ مون سون کا پیٹرن بھی نہیں، یہ کلائمٹ چینج کی وجہ سے اس قدر غیر معمولی بارشیں ہوئی ہیں کہ سب کچھ بہا کر لے گئیں۔

محکمہ موسمیات پاکستان کے سابق ڈائریکٹر جنرل اور کئی بین الاقوامی جامعات میں ایٹموسفرک فزکس کی تعلیم دینے والے ڈاکٹر غلام رسول اس بارے میں کہتے ہیں کہ اگر آپ گزشتہ کچھ سالوں کی موسمیاتی تبدیلیوں کا جائزہ لیں تو آپ کو کلائمٹ چینج کے اثرات واضح طور پر نظر آئیں گے۔

ڈاکٹر غلام رسول کا کہنا تھا کہ بہار کا موسم آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا ہے اور اس کی جگہ موسم گرما نے لے لی ہے، موسم گرما کا دورانیہ اور شدت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے جو ہماری زراعت کو متاثر کر رہا ہے، آبی ذخائر کو خشک کر رہا ہے، اور گلیشیئرز کو بھی پگھلا رہا ہے۔

انھوں نے کہا کہ پہلے مون سون کی بارشوں کا سلسلہ شمال مشرق سے شروع ہوتا تھا اور خیبر پختونخواہ اور پھر جنوب کی طرف آتا تھا، لیکن اس سال مون سون شروع ہی جنوب سے ہوا۔

ڈاکٹر غلام رسول کے مطابق اب ان علاقوں میں بھی بارشوں کا سلسلہ دیکھا گیا جہاں مون سون کی بارشیں عموماً نہیں ہوتی تھیں،

جیسے گلیشیئرز کے اطراف کے علاقے، اگر یہاں پر بھی بارشیں ہورہی ہیں تو پھر اس کا براہ راست خطرہ گلیشیئرز کو ہے جو پہلے ہی گرمی سے پگھل رہے ہیں، اور اب بارشوں کی وجہ سے مزید پگھلیں گے۔ انھوں نے کہا کہ کلائمٹ چینج نے غیر یقینی صورتحال کو جنم دیا ہے، اب مون سون کا دورانیہ طویل بھی ہوسکتا ہے، اس کی شدت بھی زیادہ ہوسکتی ہے، لہٰذا یہ کہنا مشکل ہے کہ مستقبل میں ہمیں کس قدر نقصانات سہنے ہوں گے۔

کیا امیر ممالک اس کی ذمہ داری قبول کریں گے؟

گرین ہاؤس گیسز میں اضافے کے بڑے حصے دار اور امیر ممالک کی صنعتی سرگرمیاں کلائمٹ چینج کے ذریعے کس طرح ترقی پذیر ممالک کو متاثر کر رہی ہیں، صرف پاکستان اس کی ایک مثال نہیں، متعدد ایشیائی ممالک گزشتہ کچھ سال سے کم و بیش اسی صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں۔

پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت (بھارت خود بھی گرین ہاؤس گیسز میں اضافے کا ایک بڑا حصے دار ہے) اور دیگر ایشیائی، افریقی اور کیریبیئن ممالک گزشتہ کچھ سالوں سے شدید ہیٹ ویوز، طوفانی بارشوں اور سیلابوں کی زد میں ہیں اور ہر سال بے تحاشہ جانی ومالی نقصانات اٹھارہے ہیں۔

تو کیا امیر ممالک اس تباہی کی اخلاقی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ان نقصانات کے ازالے کی کوشش کریں گے؟ کیا یہ امیر ممالک ان نقصانات کی بحالی کے لیے دی گئی رقوم کو قرض یا امداد کا نام دینے کے بجائے اسے اپنا فرض سمجھ کر ادا کریں گے؟

ہر سال ہونے والی بین الاقوامی کانفرنسز میں جب ماحولیاتی نقصانات کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور امیر ممالک کو بتایا جاتا ہے کہ اس کی ذمہ دار ان کی صنعتی سرگرمیاں ہیں، تو یہ ممالک کندھے اچکا کر اپنا کاربن اخراج کم کرنے کے وعدے کرلیتے ہیں، لیکن اگر وہ اس وعدے کو وفا بھی کرلیتے ہیں تو یہ کمی اتنی کم ہوتی ہے، کہ اگلے سال تک ہونے والا ماحولیاتی نقصانات اس سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔

سنہ ۲۰۰۹ میں ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن میں ہونے والی یونائیٹڈ نیشنز کلائمٹ چینج کانفرنس میں) جسے COP بھی کہا جاتا ہے (، کئی سول سوسائٹی تنظیموں نے مل کر ایک تحقیقی ڈیٹا پیش کیا اور کہا کہ امریکا اور یورپی یونین، افریقہ، ایشیا اور دیگر ترقی پذیر ممالک میں کلائمٹ چینج کی وجہ سے آنے والی آفات میں ہونے والے ۵۴ فیصد مالی نقصان کے ذمہ دار ہیں۔

اور پھر اسی سال ایک ازالہ جاتی فنڈ کا قیام عمل میں لانے کی منظوری دی گئی، لیکن اس کے پیچھے ترقی پذیر ممالک کی کئی سالہ کوشش تھی۔

یہ ازالہ جاتی فنڈ کون سا ہے؟

طویل عرصے تک جب اس بات پر زور دیا جاتا رہا کہ وہ امیر ممالک جن کی صنعتی سرگرمیوں سے کاربن اور دیگر مضر گیسز کا اخراج ہو رہا ہے، اور اس کی وجہ سے عالمی درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے، اور پھر یہ اضافہ پوری دنیا میں قدرتی آفات کا سبب بن رہا ہے، ایسے ممالک کو ان آفات اور اس سے ہونے والے نقصانات کا اخلاقی طور پر ذمہ دار ٹھہرایا جائے، تو بالآخر ان امیر ممالک نے ازالے کی رقم دینے کی ہامی بھرلی۔

سنہ ۱۹۹۲ میں قائم کی جانے والی اقوام متحدہ کی باڈی یونائیٹڈ نیشنز فریم ورک کنونشن آن کلائمٹ چینج) یو این ایف ٹرپل سی (کے تحت ایک فنڈنگ ادارہ قائم کیا گیا جسے گرین کلائمٹ فنڈ کا نام دیا گیا۔ سنہ ۲۰۱۰ میں قائم کی جانے والی اس فنڈنگ باڈی کا مقصد ہے، ترقی پذیر ممالک کو گلوبل وارمنگ میں کمی اور اس سے ہم آہنگی کرنے والے اقدامات کرنے کے لیے مالی معاونت فراہم کی جائے۔

یہ فنڈ ترقی یافتہ امیر ممالک کو پابند کرتا ہے کہ وہ کلائمٹ چینج سے متاثر ہونے والے ممالک کے نقصانات کا ازالہ کریں۔

اس فنڈ کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ امیر ممالک، غریب ممالک کے ماحول دوست پالیسیز کی طرف منتقل ہونے میں مالی مدد کریں، کیونکہ ماحول دوست ذرائع مثلاً سولر انرجی بنانا، توانائی کے عام ذرائع یعنی کہ پیٹرول یا کوئلے وغیرہ کی نسبت خاصا مہنگا ہے، غریب ممالک مہنگا ہونے کے باعث ماحول دوست ذرائع نہیں اپنا سکتے اور مجبوراً وہ ماحول کو نقصان پہنچانے والے ذرائع استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ اقوام متحدہ کی جانب سے امریکا، یورپی ممالک اور دیگر امیر ممالک کو پابند کیا گیا کہ وہ ایک مقررہ رقم اس فنڈ میں جمع کروائیں۔

پاکستان اس فنڈ کے قائم ہونے سے اب تک اس سے نہایت ہی معمولی سا فائدہ اٹھا سکا ہے۔ گرین کلائمٹ فنڈ کے تحت اب تک پاکستان کو صرف ۴ منصوبوں کے لیے فنڈ مل سکا ہے جن کی مالیت ۱۳۱ ملین ڈالرز ہے، ان ۴ منصوبوں میں سے ایک کراچی کا گرین بی آر ٹی منصوبہ بھی ہے۔ شعبے کے ماہرین کا کہنا ہے کہ جس حساب سے پاکستان میں کلائمٹ چینج سے نقصانات ہو رہے ہیں، اس حساب سے پاکستان اس فنڈ سے مستفید ہونے میں ناکام رہا ہے۔

کلائمٹ فنانس کی ایکسپرٹ کشمالہ کاکاخیل اس حوالے سے بتاتی ہیں کہ یہ پروگرام کسی نقصان کی صورت میں فوری ازالہ کرنے والے اقدامات کے لیے نہیں ہے۔ حالیہ سیلاب میں ہمیں متاثرین کے ریسکیو اور ریلیف کے لیے اب تک جو بھی رقم ملی ہے وہ فوری طور پر انسانی ہمدردی کے تحت ملی ہے۔

کشمالہ کا کہنا ہے کہ اس پروگرام سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم طویل المدتی اور پائیدار ترقیاتی منصوبے مکمل جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ پیش کریں۔

انھوں نے کہا کہ اس فنڈ کے لیے مختلف ممالک اپنے پروجیکٹس پیش کرتے ہیں اور اس میں سے چند پروجیکٹس کو منتخب کر کے انہیں فنڈنگ دی جاتی ہے۔ پروجیکٹ بنانے سے قبل اس کا جائزہ لینا اور تحقیق کرنا، اسے تمام اعداد و شمار کے ساتھ پیش کرنا، اس میں کمی بیشی کو دور کرنا، اور پھر اس کی منظوری ہونا اور اس کے بعد اس پر کام شروع ہونا، یہ سب سالوں کے عرصے پر محیط ہوتا ہے۔

یہ پروجیکٹس کون سے ہوں گے؟

چنانچہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے منصوبے جو کلائمٹ چینج سے ہم آہنگ ہوں، طویل المدتی ہوں، پائیدار ہوں، اور کسی قدرتی آفت کے بعد نقصان کی شرح کم سے کم کر سکیں، کون سے ہو سکتے ہیں؟ اس حوالے سے ڈاکٹر پرویز امیر کا کہنا ہے کہ ایسے منصوبے بنانے سے پہلے ملک میں جو مس مینجمنٹ موجود ہے، اسے ٹھیک کیا جانا ضروری ہے۔ وہ کہتے ہیں، ’ہم کس منہ سے دنیا سے پیسے مانگیں گے؟ کہ ہم نے دریا کے راستے میں ہوٹل تعمیر کر لیے، سیلاب میں وہ ہوٹل گر گئے، اب ہمارے اتنے لاکھ لوگ بیروزگار اور تباہ حال ہیں، ان

کے لیے ہمیں پیسے دیے جائیں تا کہ ہم پھر سے اسی سیلابی راستے میں تعمیرات کریں۔ اس طرح تو ہمیں کوئی پیسے نہیں دینے والا'۔

ان کا کہنا ہے کہ پہلے ہمیں اپنی ترجیحات طے کرنی ہوں گی، ڈیزاسٹر مینجمنٹ بعد کی چیز ہے، پہلے ہمیں دنیا کی طرح ایسے اقدامات کرنے ہوں گے جو کلائمٹ چینج سے ہم آہنگ ہوں تا کہ کسی آفت کی صورت میں ہمارا کم سے کم نقصان ہو۔ لیکن ایسی پالیسیز بنانا ہماری ترجیحات نہیں، البتہ ڈیزاسٹر کے بعد ہم اس کی تباہ کاری سے نمٹنے کے لیے ضرور اپنے وسائل استعمال کر لیتے ہیں۔

ڈاکٹر پرویز امیر کا کہنا تھا کہ ہمارا باقاعدہ کوئی ریسکیو سسٹم ہی نہیں، قدرتی آفات میں خیراتی ادارے ہی ہمارا واحد سہارا ہوتے ہیں۔ ایسے میں ہم کیا توقع رکھتے ہیں کہ دنیا کلائمٹ چینج سے نمٹنے میں ہماری مدد کرے۔ وہ کہتے ہیں، کہ ایک تو عالمی طور پر رونما ہونے والا کلائمٹ چینج، پھر ہماری مس مینجمنٹ اور فطرت سے تصادم کا شوق، یہ سب مل کر ہمارے انسانی وسائل کو بے حد نقصان پہنچا رہے ہیں جن کی بڑی تعداد ویسے ہی غربت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔

تو کیا پاکستان کے پاس ایسے پائیدار ترقیاتی منصوبے ہیں؟

کشمالہ کاکاخیل کا کہنا ہے کہ پاکستان فی الحال ۴ سے ۵ کلائمٹ ریزیلیئنٹ منصوبوں پر کام کر رہا ہے جو جلد ہی گرین کلائمٹ فنڈنگ کے لیے پیش کر دیے جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ سیلاب سے فوری طور پر ریلیف کے لیے تو کئی ممالک کی امداد منظور ہو چکی ہے، اب آگے ہمیں ایسے منصوبوں کے لیے فنڈنگ درکار ہے جس سے مستقبل میں ایسے قدرتی آفات کے دوران کم سے کم نقصان ہو، اور اس کے لیے طویل المدتی اور جامع منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

انھوں نے کہا کہ اگر ہم ۲۰۱۰ کے سیلاب کے بعد ایسے منصوبے بنا لیتے، جن میں قدرتی آفات کو مد نظر رکھتے ہوئے تعمیرات اور آبادکاری کی جاتی تو اب شاید ہم اتنا نقصان نہ اٹھاتے۔

کشمالہ کا کہنا ہے کہ اب ضروری ہے کہ ہم یقینی بنائیں کہ سیلاب کے راستے میں تعمیرات نہ کی جائیں، ارلی وارننگ سسٹمز کو مضبوط بنایا جائے، اور فطرت سے تصادم کا راستہ نہ اپنایا جائے، تب ہی ہمارے قیمتی انسانی اور مالی وسائل کی حفاظت ہو سکے گی ورنہ کچھ سال بعد ہم پھر اسی صورتحال سے گزر رہے ہوں گے اور ہمارے کلائمٹ متاثرین میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔

صحیح - متفق علیہ

معاشی تنگدستی کے انسانی رویوں پر اثرات!

حافظ طلحہ اختر، ایگریکلچر یونیورسٹی، فیصل آباد

حکیم الامت حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " انسانیت کے اخلاق اس وقت برباد ہو جاتے ہیں جب انہیں اقتصادی جبر (معاشی تنگی) میں مبتلا کر دیا جائے "

شاہ صاحب کی اس رہنمائی کی روشنی میں اگر ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے اپنے غلبے کے دور میں انسانیت کو ان کے معاشی حقوق بھی مہیا کیے اور ان کی اخلاقی تربیت بھی کی۔

اخلاق و معاشیات کا باہمی ربط

یہاں ایک بات سمجھنا ضروری ہے کہ اخلاقیات اور معاشیات کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نظر انداز ہو جائے تو معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر آپ ایک ایسے انسان کی حالت تصور کیجیے جسے دو وقت کی روٹی تک میسر نہیں اس کے بچے روز بھوکے سوتے ہوں وہ دن رات صرف اسی خیال میں گزارتا ہو کہ کھانا کیسے مہیا ہو؟ کہاں سے آئے؟ آپ اس حالت میں اسے دعوت دیں کہ وہ اپنے اخلاق درست کرے، روحانیت میں ترقی کرے تو یہ بات اس کی اور لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہو گی۔ اسی لیے کہ جتنی بھی حکومتیں عدل کے نظام پر تشکیل پاتی ہیں وہ سب پہلے اپنے لوگوں کی معاشی ضروریات پورا کرنے کے لیے ایک نظام وضع کرتی ہیں جس کے ذریعے سے وہ اپنے لوگوں کی معاشی ضروریات پوری کرتی ہیں، پھر اگلے درجے میں لوگ خود اپنی اخلاقی اور روحانی ترقی کی طرف مرکوز ہوتے ہیں۔

معاش کی فراہمی صالح نظام کے ذریعے

یہاں یہ بات سمجھنا بھی ضروری ہے کہ معاش کی فراہمی ایک نظام کے ذریعے سے یقینی بنائی جا سکتی ہے اس کے بغیر نہیں۔ اگر بغیر نظام کے لوگوں میں کوئی بھی چیز تقسیم کی جائے تو اس کا نتیجہ سوسائٹی میں احساس کمتری اور محرومی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ دین اسلام کے حکم زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ایک نظام سے وابستہ ہے۔

پاکستانی نظام معیشت

اب اگر ہم پاکستانی نظام معیشت کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہمارے ملک میں، اسلام کا کوئی بھی قانون اپنی اصل روح میں نافذ العمل نہیں۔ ہمارا معاشی نظام ایڈم سمتھ کا دیا ہوا ہے جس کے بنیادی اصولوں میں سے یہ ہے کہ سرمایہ ہی سب کچھ ہے، اسے زیادہ سے زیادہ اکٹھا کیا جائے اور اس کو اکٹھا کرنے کے لیے جو بھی درندگی اور ظلم کا راستہ اختیار کرنا پڑے تو اس پہ کوئی پابندی نہیں۔ اب ایک

نظام جس کی بنیاد ہی سرمائے کی پرستش اور بلا ضرورت اکٹھا کرنے پر ہو تو وہ کیسے انسانیت کی اجتماعی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔ آج ہم میں سے زیادہ تر لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ اسلام کا اپنا بھی کوئی معاشی نظام ہے ! حالانکہ اس نے ۱۰۰۰ سال تک انسانیت کی ضروریات کو پورا کیا ہے۔ یہی وہ دور تھا جس میں انسانی اخلاق اعلیٰ معیار پر تھے۔

غلط فہمی کا شکار عوام

آج ہماری سب سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہم اسی سرمایہ دارانہ نظام سے یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ ہمیں معاشی حقوق دے اور ضروریات پوری کرے جبکہ ہم ظلم کے اس نظام کو بدلنے کے لیے تیار نہیں، اس کے خلاف کوئی مزاحمتی شعور بیدار نہیں کر پا رہے یہی وجہ ہے کہ آج معاشرے میں اخلاقی اور روحانی ترقی پر وعظ و نصیحت کیے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ جو تم پر غربت ہے یہ تو اللہ کی طرف سے تمہاری قسمت ہے جب کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں ؛اور زمین پر کوئی چلنے والا نہیں مگر اس کی روزی اللہ پر ہے ۔ (سورۃ ھود؛۱۲۳)

جب اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کا رزق پیدا کر دیا ہے تو پھر مسئلہ اس کی تقسیم میں ہوا نہ کہ پیداوار میں۔

یکم مئی کو پھر مایوسی

ابھی (پیچھے) یکم مئی گزرا ہے جو مزدوروں کا عالمی دن ہے۔ اس دن میں بجائے اس کے کہ آپ مزدور عوام کے لیے پالیسی بناتے، کوئی قانون وضع کرتے جو مزدوروں کو معاش کی فراہمی میں مددگار ثابت ہوتا، لیکن ہوا یہ کہ روایتی طور پر ایک دو اجلاس بلائے گئے اور اس میں بھی وہی روایتی باتیں لیکن اصل بات تو یہ تھی کہ ایسا نظام بنانے کی بات کی جاتی جس میں وسائل کی مساوی تقسیم یقینی ہو سکے ۔ پھر بڑا ظلم یہ کہ لوگوں کو منبر کے ذریعے سے تسلی دینا کہ جو تکالیف تم برداشت کر رہے ہو اس کا اجر تمہیں آخرت میں ملے گا۔

یہ عجیب بات ہے کہ ایک مرحلے کے درست کیے بغیر اگلے مرحلے کے درست ہونے کی امید کرنا ! آج ہمارے معاشرے میں لوگوں کی اخلاقیات پر بڑے مباحثے کیے جاتے ہیں مگر کبھی ہم نے سوچا کہ اس کی وجہ کیا ہے !

آج کی ضرورت

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک عادلانہ معاشی نظام قائم کر کے انسانیت کے بنیادی حقوق اور ضروریات پورا کرنے کے لیے فکر مند ہوں، پھر اگلے مرحلے میں عام انسانیت اپنی روحانی اور اخلاقی ترقی کی طرف متوجہ ہو گی ۔

> رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
>
> من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه بها كربة من كرب يوم القيامة۔
>
> صحيح بخارى /٢٤٤٢ وصحيح مسلم/٢٥٦٤
>
> "جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی کسی تکلیف کو دور کیا تو اللہ تعالی آخرت میں اس کی کسی تکلیف کو دور فرمادے گا"

مقاصدِ نکاح اور اُس کی اہمیت

مولانا محمد شفیق علوی

"ایجاب وقبول" کے مخصوص الفاظ کے ذریعہ مرد وعورت کے درمیان ایک خاص قسم کا دائمی تعلق اور رشتہ قائم کرنا نکاح کہلاتا ہے، جو دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کے صرف دو لفظوں کی ادائیگی سے منعقد ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نکاح کو عبادت کا درجہ دیا۔ تمام مذاہب میں اس کو حلال قرار دیا۔ قرآن مجید میں اور اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کی زبانی جابجا نکاح کے لئے اپنے بندوں کو ترغیب دی۔ نکاح کے بہت زیادہ فضائل وفوائد ہیں، بطور "مشتے نمونہ از خروارے" کچھ یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

نکاح کے دنیوی واُخروی فضائل:

۱ ...نکاح سنتِ انبیاء علیہم السلام ہے:

ترجمہ: "حضرت ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں انبیاء کرام (علیہم السلام) کی سنت میں سے ہیں: حیاء، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح"۔ (ترمذی، ج:۱، ص:۲۰۶)

۲ ...بے نکاح مرد اور بے نکاح عورت محتاج اور مسکین ہے:

"ابن ابی نجیح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین ہے، مسکین ہے وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کیا اگرچہ وہ بہت مال والا ہو تب بھی وہ مسکین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اگرچہ وہ بہت مال والا ہو، پھر فرمایا: مسکین ہے، مسکین ہے وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو، لوگوں نے عرض کیا: اگرچہ بہت مالدار ہو تب بھی وہ مسکین ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اگرچہ مال والی ہو"۔ (مجمع الزوائد، ج:۴، ص:۳۲۸، بحوالہ معجم طبرانی اوسط)

نکاح کرنے سے دین اور دنیا کے بہت سے کام درست ہو جاتے ہیں اور مال کا جو مقصود اصلی ہے، یعنی راحت اور بے فکری، وہ اس مرد کو نصیب نہیں ہوتی، جس کی بیوی نہ ہو اور اس عورت کو بھی یہ راحت وآرام نصیب نہیں ہوتا، جس کا خاوند نہ ہو۔ اس لیے مال ہونے کے باوجود شادی نہ کرنے والے مرد وعورت کو اس حدیث میں مسکین کہا گیا ہے۔

۳ ...نکاح شرمگاہ کے گناہوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "اے جوانو! تمہیں نکاح کر لینا چاہیے، کیونکہ یہ نگاہ کو زیادہ جھکانے والا اور شرمگاہ کی زیادہ حفاظت کرنے والا ہے، اور جو اس کی طاقت نہ رکھے وہ روزے رکھے"۔ (ترمذی، ج:۱، ص:۲۰۶)

بیشتر وہ لوگ جو نکاح کی استطاعت رکھتے ہوئے بھی نکاح نہیں کرتے، ان کے ذہن میں ہمیشہ زناکاری کا لاوا پکتا رہتا ہے اور زنا انسان کو یقینی طور پر ایمان سے کوسوں دور لے جاتا ہے۔ اب جو مسلمان شادی نہیں کرتا، وہ درحقیقت اپنے دین کو بھی داؤ پر لگانا چاہتا ہے۔ نکاح کے ذریعہ ان سب مسئلوں سے نجات ہے۔ اور اگر واقعی کوئی مجبوری ہے اور اصل تدبیر "نکاح" پر عمل نہیں کرسکتا تو پھر یہ علاج ہے جو حدیث شریف میں بیان ہوا ہے کہ آپ ؐ نے اس کے بدل یعنی "روزے" کو اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا، کیونکہ روزے سے نفسانی شہوت ٹوٹ جاتی ہے۔

۴...بے نکاح آدمی شیطان کا بھائی اور آلۂ کار ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے عَکَّافؓ (ایک صحابی کا نام ہے) سے فرمایا: اے عَکَّاف! کیا تیری بیوی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور تو مال والا، وسعت والا ہے؟ عرض کیا: ہاں! میں مال اور وسعت والا ہوں۔ آپ ؐ نے فرمایا: تو اس حالت میں تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے، اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو ان کا راہب ہوتا۔ بلاشبہ نکاح کرنا ہمارا طریقہ ہے، تم میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جو بے نکاح ہیں اور مرنے والوں میں سب سے بدتر وہ ہیں جو بے نکاح ہیں، کیا تم شیطان سے لگاؤ رکھتے ہو؟ شیطان کے پاس عورتوں سے زیادہ کوئی ہتھیار نہیں، جو صالحین کے لئے کارگر ہو۔ مگر جو لوگ نکاح کیے ہوئے ہیں، یہ لوگ بالکل مطہر ہیں اور فحش سے بری ہیں اور فرمایا: اے عکاف! تیرا برا ہو، نکاح کرلے، ورنہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگا۔ (مجمع الزوائد، ج:۴، ص:۳۲۵)

۵ بے نکاح کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں:

ترجمہ: "جو شخص نکاح کرنے کی طاقت ہونے کے باوجود نکاح نہ کرے، وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)"۔ (مجمع الزوائد، ج:۴، ص:۳۲۷)

نکاح نہ کرنا مسلمانوں کا شعار نہیں، بلکہ نصاریٰ کا طریقہ ہے، کیونکہ وہ نکاح نہ کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ عذر نہ ہونے کے باوجود نکاح نہ کرنا اور اُسے عبادت یا فضیلت سمجھنا رہبانیت کے زمرہ میں آتا ہے، جو اسلام میں جائز نہیں ہے۔

۶...بے نکاح کا حضور ؐ سے کوئی تعلق نہیں:

حدیث میں ہے کہ تین صحابیؓ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ایک زوجہ مطہرہؓ کے گھر تشریف لائے اور آپ ؐ کے احوال کے بارے میں معلوم کیا، جب ان کے سامنے آپ ؐ کی عبادات کے احوال کو بیان کیا گیا تو انہوں نے آپ ؐ کی عبادت کو کچھ کم خیال کیا، پھر کہنے لگے: ہمیں نبی کریم ؐ سے کیا نسبت؟ آپ ؐ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔ اب تینوں میں سے ایک نے کہا: میں تو اب ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں تو ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا۔ تیسرے نے کہا: میں تو کبھی شادی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ؐ کو علم ہوا تو آپ ؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہداشت کرنے والا ہوں، مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتی فلیس منی''۔

''میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے''۔ (بخاری، ج:۲، ص:۷۵۷، ۷۵۸)

غور کیجئے! جب صحابہؓ نے انسانی فطرت سے ہٹ کر الگ راستہ اختیار کرنا چاہا تو آپ انے غصہ کا اظہار فرمایا۔ جس چیز کو وہ نیکی سمجھ رہے تھے، آپ انے انہیں بتایا کہ اس عمل سے وہ اسلام سے قریب نہیں، بلکہ دور ہوں گے، شیطان کے وسوسوں میں الجھ کر تکلیف اٹھائیں گے، جنسی شہوت سے جنگ میں خود کو الجھائے رکھیں گے، یہ کنوارا ہونا ان کے لئے بے حد تلخ ہوگا، جس کی شدت اور گناہ سے کم لوگ نجات پاتے ہیں۔

۷... نکاح کرنا آپ ﷺ کا طریقہ اور سنت ہے:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''من أحب فطرتی فلیستن بسنتی ومن سنتی النکاح''۔ (مجمع الزوائد، ج:۴، ص: ۳۲۷)

ترجمہ:... ''جو میری فطرت سے محبت رکھتا ہے، وہ میری سنت پر عمل کرے اور میری سنت میں سے نکاح بھی ہے''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''اگر میری زندگی کے صرف دس روز رہ جائیں، تب بھی میں شادی کرلینا پسند کروں گا، تاکہ غیر شادی شدہ حالت میں خدا کو منہ نہ دکھاؤں''۔ (تحفۃ العروس)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''نکاح کرلو، کیونکہ ازدواجی زندگی کا ایک دن غیر شادی شدہ زندگی کے اتنے اتنے برسوں کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے''۔ (تحفۃ العروس)

نکاح کے مقاصد وفوائد

مقصد نمبر:۱... نکاح عبادت ہے:

نکاح بذاتِ خود اطاعت اور عبادت ہے، اور نفل عبادت سے افضل ہے۔

مقصد نمبر:۲... تقویٰ کا حصول:

نکاح کا ایک بڑا مقصد پرہیزگاری اور تقویٰ ہے۔

مقصد نمبر:۳... جنسی تسکین کا ذریعہ:

فطری طور پر مرد وعورت کے اندر جنسی خواہشات رکھی گئی ہیں، لذت ایک ایسی شئے ہے جس کا طالب نہ صرف انسان ہے، بلکہ ہر حیوان اس کا طالب ہے۔ وہ بذات خود قابل مذمت چیز نہیں ہے، قابل مذمت وہ اس وقت قرار پاتی ہے جب اس کا غلط استعمال کیا جائے اور امور خیر کو ترک کرکے ناروا مقامات کو اس کے استعمال کے لئے منتخب کیا جائے۔ اس فطری جذبے کو پورا کرنے کا حلال راستہ یہی نکاح ہے۔ نکاح چھوڑنے سے کئی فتنوں میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ رہتا ہے۔ قدرتی طور پر انسان کے اندر جو شہوت کا مادہ ہے، یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر نکاح نہ ہو تو ناجائز طریقے سے یہ تقاضا پورا کرنے کی طرف میلان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حرام سے بچنے کے لئے یہ حلال راستہ رکھا ہے۔

مقصد نمبر:۴... اولاد کا حصول:

اولاد کا طلب کرنا بھی نکاح کے مقاصد میں سے ہے، نسل انسانی کی بقا بھی اسی سے ممکن ہے۔ اس مقصد کے حصول پر حدیث میں بڑی تاکید آئی ہے کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو زیادہ بچے جننے والی ہوں۔

مقصد نمبر:۵...امت محمدیہؐ کے افراد میں اضافہ:

امت محمدیہ کے افراد کا زیادہ ہونا بھی ایک اہم مقصد ہے، جس کی حضور انے تمنا فرمائی، آپ انے ارشاد فرمایا کہ: میں تمہاری کثرت پر قیامت کے دن فخر کروں گا۔ اسی طرح قومی طاقت اور توانائی کا دارومدار کثرتِ آبادی اور ان کی مادی اور اندرونی قوت پر منحصر ہے۔

مقصد نمبر:۶... آرام وراحت کا حصول:

نکاح کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ وہ سکون وآرام اور راحت کا ذریعہ ہے، جی بہلانے کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ''۔ (الروم:۲۱)

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تم میں سے جوڑے بنائے، تاکہ تم ان سے آرام پکڑو اور تم میں محبت اور نرمی رکھ دی''۔

مقصد نمبر:۷... طبی طور پر جسمانی امراض سے بچاؤ:

نکاح کئی بیماریوں اور امراض سے بچاؤ کا بھی ذریعہ ہے۔ نکاح نہ کرنے والے مادہ منویہ روکنے کے مرض میں مبتلا ہوجاتے ہیں، کیونکہ انسان کا یہ مادہ جب کافی عرصہ تک بند رہتا ہے تو اس کا زہریلا اثر دماغ تک چڑھ جاتا ہے، اور بسا اوقات اُنہیں مالیخولیا کا مرض لاحق ہوجاتا ہے۔ نیویارک مینٹل ہاسپٹل کے میڈیکل انچارج ڈاکٹر ہاولبرگ کہتے ہیں:

''مینٹل ہاسپٹل میں عام طور پر مریض اس تناسب سے داخل ہوتے ہیں کہ ان میں ایک شادی شدہ ہوتا ہے تو چار غیر شادی شدہ ہوتے ہیں''۔ (تحفۃ العروس)

برٹلن کے ترتیب دیئے ہوئے اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ شادی شدہ جوڑوں کی نسبت غیر شادی شدہ کہیں زیادہ خودکشی کے مرتکب ہوتے ہیں، جبکہ اکثر شادی شدہ افراد کی دماغی اور اخلاقی حالت نہایت متوازن اور ٹھوس ہوتی ہے، ان کی زندگی میں ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ اور جیسا کجرو اور سوداوی مزاج بہت سارے بن بیاہے نوجوانوں کا ہوتا ہے، شادی شدہ جوڑوں میں اُس طرح نہیں پایا جاتا۔ نیز یہ بھی مشاہدہ ہے کہ شادی شدہ خواتین ہرچند کہ بچہ جننے، ماں بننے اور خانہ داری اور ازدواجی زندگی، غرض زندگی کے بے شمار مسائل میں گھری ہوتی ہیں، پھر بھی دوسری غیر شادی شدہ عورتوں کے مقابلہ میں ان کی عمریں خاصی طویل ہوتی ہیں اور وہ ان کے مقابلہ میں زیادہ مطمئن اور خوش ہوتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ آدمی ہے جو سخت جھگڑالو ہو"۔

صحیح -متفق علیہ

قائدِ اہلسنت گلگت بلتستان و کوہستان حضرت مولانا

قاضی عبد الرّزاق نوراللہ مرقدہ

حضرت مولانا قاضی نثار احمد حفظہ اللہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگرد اور پروانے قاضی عبدالرزاق نوراللہ مرقدہ نے شمالی علاقہ جات میں اہل حق کو ایسی فکر، تربیت اور ورثہ دے گئے ہیں کہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ ایسے علمی اور روحانی شخصیت کے حامل جو شمالی علاقہ جات کے مسلمانوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے والے بے تاج بادشاہ تھے۔ ضلع غذر کے گاوں گلمت کے علمی خاندان حضرت شیخ عبیداللہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ قریباً ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ عبیداللہ علمی اور روحانی شخصیت ہونے کے علاوہ مجاہد بھی تھے۔ دعوت تبلیغ کے سلسلے میں علاقے میں کئی مساجد تعمیر کرائیں۔ ان کی جرات اور بہادری کے قصے مشہور ہیں۔ ابتدائے جوانی ہی میں راجہ گوہر امان کے لشکر کے ساتھ سکھوں کے خلاف جہادی کاروائیوں میں شریک رہے۔

آپ کو "کھنگر پُٹھو" (تلوار توڑنے والے) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ایک معرکے میں لڑتے لڑتے آپ نے تلوار توڑدی تھی۔ حضرت قاضی مرحوم کو گھر سے بھی جرات وبہادری کی تربیت ملی تھی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم گلگت میں قاضی عبدالرحیم اور چلاس میں مولانا شعیب رحمہا اللہ سے حاصل کی۔ اس طرح کوہستان، کولی، چنار کوٹ کے علاقوں میں بھی پڑھتے رہے، اس دوران حضرت قاضی عبدالرحیم اور چنار کوٹ کے قاضی کے حکم اور مشورہ پر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ زمانہ طالب علمی سے آپ محنتی اور ذہین وذکی شمار ہوتے تھے۔ طلبہ میں ہونے والے علمی مناظروں میں اعلیٰ مقام اور شہرت رکھتے تھے۔

آپ کی سند کے مطابق ۴ شوال ۱۳۴۹ھ کو دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ بروز منگل ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ کو سند فراغت حاصل کی۔ آپ کا سند نمبر ۲۰۲۵ ہے۔ حضرت حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی سند واجازت عنایت فرمائی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں شیخ الاسلام کے علاوہ حضرت مولانا قاری محمد طیب، حضرت

مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا عبد الحق کاکا خیل، حضرت مولانا اعزاز علی، حضرت مولانا رسول خان، حضرت مولانا محمد ابراہیم، حضرت مولانا سید اختر رحمہم اللہ جیسے اکابر تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی تعلیم کے دوران فلسفہ اور منطق میں مہارت رکھنے کے حوالے سے جانے جاتے تھے۔ امتحانات میں امتیازی حیثیت حاصل کرتے۔

انجمن افغان کے ناظم اعلیٰ بھی رہے ہیں۔ عربی اور فارسی کے ادیب تھے۔ پشتو میں بھی کمال رسوخ رکھتے تھے۔ آپ نے دارالعلوم سے علمی اور روحانی فیض کے علاوہ آزادی، حریت اور جرات کا ایسا سبق سیکھا تھا جس کے آثار آپ کے حیات کے ایک ایک لمحہ میں نمایاں نظر آ رہے تھے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد گلگت تشریف لائے، جامع مسجد گلگت میں امامت وخطابت وقضاء کے مسند پر متمکن ہوئے۔ علاقے کے مخصوص احوال میں دین اسلام کی خدمات میں ایسے مصروف رہے کہ وہ مصروفیات اور خدمات کا سلسلہ آپ کی حیات عزیز میں مسلسل رہا۔ اور اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ آپ کی خدمات اور سوانح کیلئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ رب تعالیٰ توفیق سے نوازے (آمین)۔ آپ علاقے میں عوام وخواص میں یکساں اپنا مقام رکھتے تھے۔ سب ہی آپ کے گرویدہ تھے۔ آپ جلالی اور مجاہد مزاج تھے۔ علم وعمل کے سمندر، ہمت وحوصلہ کے پہاڑ تھے۔ آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق باشد بقدر ہمتِ تو اعتبار تو

علامہ اقبال کا یہ شعر آپ کے ورد زباں ہوا کرتا تھا کہ

ہر کہ افسر مصطفی فہمیدہ است کفر را در خوف مضمر دیدہ است

گلگت میں بارہا آپ کو ہائی سکول میں تدریس کی پیشکش کی گئی جسے آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ اسباب وحالات سے قطع نظر کرکے اعلاء کلمۃ اللہ اور حق کی سرفرازی کیلئے ایسے ٹکرائے کہ ان واقعات کا سن کر انسان کانپ اُٹھتا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

دیوبند سے ہی انگریز دشمنی ورثے میں ملی تھی۔ انگریز سے نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ انگریزوں سے اکثر مڈ بھیڑ رہتی تھی۔ اس حوالے سے کئی ایمان افروز واقعات مشہور ہیں۔ آپ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور صحابہ کرام کی محبت میں فریفتہ اور متفکر رہتے تھے۔ صحابہ کرام کی محبت وعقیدت اور ان کے ناموس کے تحفظ کے سلسلے میں نہ کبھی کوئی لمحہ فرد گزاشت کیا نہ ہی کسی قسم کی مصلحت پسندی اختیار کی۔ ناسمجھ لوگوں کی اصلاح کیلئے قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کرام کی مقام کو ایسا اجاگر کیا، بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے حق ادا کیا۔

دیوبند سے فیض حاصل کرنے والے اس کوہ گراں نے اپنے اکابر سے حاصل کی ہوئی میراث اور فیض کو علاقے میں ایسی حکمت عملی، فراست اور جرات سے پھیلایا کہ انسان خلوص دل سے پکار اُٹھتا ہے کہ

شاد باد و شاد زی اے سرزمین دیوبند

ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

نصرت الٰہی شامل حال رہی، آپ نے شرک وبدعات اور قبر پرستی کا نہایت حکمت عملی اور شب وروز محنت سے ان کا خاتمہ کیا۔ گلگت آتے ہیں قرآن وحدیث کے درس کا سلسلہ جاری فرمایا۔

آپ کے علمی تبحر کی شہرت پورے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی درس نظامی کی تدریس کا سلسلہ آغاز فرمایا۔ دور دراز سے آئے ہوئے سیکڑوں طلبہ گلگت شہر کے مختلف مساجد میں رہ کر آپ سے فیض حاصل کرتے تھے۔ شہر کی مساجد بیرونی طلبہ سے بھری رہتی تھیں۔ حضرت قاضی مرحوم شہر کے مسلمانوں کی اس سخاوت اور معاونت کا دعاوں کے ساتھ تذکرہ فرماتے تھے کہ مہمان طلبہ کی بہترین خدمت و تواضع کرتے تھے۔

جامع مسجد میں صبح سے شام تک درس وتدریس فرماتے تھے۔ مختصر عرصے میں ہزاروں شاگرداور سینکڑوں کو دیوبند فکر سے آراستہ اور دیوبند تحریک سے وابستہ فرمایا۔

آپ نے اپنے شاگردوں کی ایک کثیر تعداد کو ابتدائی تعلیم وتربیت دینے کے بعد دارالعلوم دیوبند بھیجا آپ کے شاگرد صرف ونحو میں نہایت مہارت رکھتے تھے۔ صرف ونحو پر زیادہ توجہ فرماتے تھے۔ شاگردوں میں شفقت کے ساتھ آپ کی مار کی یادیں اب بھی موجود ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں مولانا گلشیر خان مرحوم، مولانا عبدالحمید مرحوم مولانا عبدالرشید مرحوم، مولانا نذیر اللہ خان مرحوم سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ گلگت، مولانا عزیز الرحمن مرحوم اور مولانا حبیب اللہ مرحوم ابنائے دارالعلوم ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ مولانا حرمت خان گلگت، مولانا عبادت خان گلگت، مولانا نقاب شاہ یسین، مولانا رحمت یار چکرکوٹ، مولانا عبدالحنان جگلوٹ، مولانا محمد رضا جگلوٹ، مولانا شیر افضل مرحوم چلاس، مولانا محمد افسر چلاس، مولانا محمد ایاز چلاس، مولانا عبدالقدوس چلاس، مولانا مہترجان مرحوم تانگیر، مولانا شہزادہ خان مرحوم تانگیر، مولانا عبدالکریم تانگیر، مولانا عبدالشکور تانگیر، مولانا حاجی اکبر داریل، مولانا امام حسین داریل، مولانا گلمست خان داریل، مولانا عبدالغفار داریل، مولانا عیسیٰ خان استور، جیسے علمائے کرام کو آپ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔

یہ اکابر آپ کے قافلے میں شامل ہو کر آپ کے دست وبازو اور معاون بنتے رہے۔ اس کے علاوہ پورے علاقے میں کوئی ایسا عالم نہیں جس نے بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور عاشق ہونے کے حوالے سے متحدہ ہندوستان کے حامی تھے۔ پاکستان بننے کے بعد آپ نے حضرت مدنی سے اجازت طلب کر کے شمالی علاقہ جات کی آزادی کیلئے جدوجہد فرمائی۔

برصغیر سے انگریز نے جاتے ہوئے شمالی علاقہ جات کو مہاراجہ کشمیر کے حوالہ کر گیا تھا۔ مہاراجہ حکومت اپنا اثر رسوخ بڑھانے اور رعب جمانے کیلئے مختلف حربے اختیار کر رہی تھی۔ ان سخت ترین حالات میں آپ نے سب سے پہلے مہاراجہ حکومت کے خلاف جمعہ کے روز جامع مسجد میں ولولہ انگیز اور ایمان افروز خطاب فرمایا اور مسلمانوں کو آزادی پر اُبھارا۔

آپ نے فرمایا کہ "چار ہندو تم پر حکومت کر رہے ہیں، اُٹھو اور میدان میں اُترو، ان کے خلاف لڑنا جہاد ہے۔ اٹھو قربانیاں دو اور آزادی حاصل کرو۔ نظام و اسلام اور قرآن وسنت کی حکمرانی تم پر فرض ہے۔" آپ کے اس خطاب سے غلامی کے دور میں بعض لوگوں پر لرزہ طاری ہوا یہ چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ اب حکومت

آپ کو گرفتار کرکے کشمیر بھیجے گی۔ رب تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال رہا، مہاراجہ حکومت کو گرفتار کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ آپ کے شاگردوں اور عقیدت مند نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد نے آپ کے اعلان پر لبیک کہا۔ اس اعلان کے ساتھ علاقے میں آزادی کا جذبہ رکھنے والے دوسرے افراد کو بھی حوصلہ ملا۔

راجہ بابر خان کے ساتھ اہم نشستیں ہوئیں۔ آئندہ کیلئے پروگرام تشکیل دیا گیا راجہ بابر خان سے ملاقات کیلئے خود راجہ نے ماسٹر دولت شاہ مرحوم اور غلام محمد (المعروف گون) کو آپ کے پاس بھیجا تھا۔ آپ رات کو معمول کا لباس بدل کر علاقائی لباس میں گلگت چھاونی کے مشاورتی اجلاس میں جایا کرتے تھے۔

مذہبی حوالے سے آپ کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ آپ اپنے رضاکاروں کے ساتھ مسلح ہو کر میدان عمل میں آئے تھے۔ دیسی بندوقوں، تلواروں اور کلہاڑیوں سے لڑائی کے بعد گھنسارا سنگھ گرفتار کیا گیا۔ یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو گلگت آزاد ہوا۔ آزادی کے بعد آپ کی یہی جدوجہد جاری رہی کہ پاکستان سے الحاق ہو۔ آپ نے پاکستان کا جھنڈا جامع مسجد گلگت میں لہرایا۔ آپ نے اپنی تحریک اس وقت تک جاری رکھا جب تک پاکستان سے باقاعدہ الحاق نہ ہوا۔

یہ الگ المیہ ہے کہ جس عظیم مقصد کیلئے آزادی حاصل کی گئی تھی۔ اس سے پورا ملک محروم ہے۔ راجہ بابر خان کی جرات و خدمات کی آپ تعریف فرماتے تھے۔ خود راجہ صاحب بھی آپ کی جرات و خدمات کا اعتراف اور تذکرہ کرتے تھے۔ مولانا عبدالحنان مدظلہ جگلوٹ آپ کے مشورے سے لداخ تک مجاہدین لے کر گئے۔

پورے ملک کی طرح شمالی علاقہ جات کی آزادی میں بھی دیوبند کا عظیم کردار ہے۔ آپ نے ۱۹۵۳ء میں انجمن نصرۃ الاسلام کی بنیاد ڈالی۔ موجودہ جامعہ اسلامیہ نصرۃ الاسلام کیلئے تین سو کنال اراضی حاصل کرکے ایک عظیم درسگاہ اور دارالعلوم دیوبند کی ایک شاخ قائم فرمائی۔ جو پورے علاقے میں دیوبند کی خدمات کی عظیم یادگار ہے۔ بعد ازاں فتح باغ گلگت میں جہاں عید کی نماز پڑھاتے تھے، آپ نے عید گاہ کو بھی جامعہ اسلامیہ منتقل فرمایا۔ جہاں آپ کے طلبہ کے علاوہ سکول پڑھنے والے دیامر، غذر سے آئے ہوئے طلبہ بھی رہائش رکھتے تھے، ان کی تعلیم و تربیت کیلئے استاذ مقرر فرمایا۔

آپ نے FCR کے خاتمے کی تحریک کی بھرپور حمایت کی و ۱۹۷۱ء کو FCR کے خاتمے کے بعد آپ نے وقت کے تقاضوں کے مطابق ضرورت محسوس فرمایا کہ اب یہاں کے مسلمانوں کی دینی اور سیاسی راہنمائی کیلئے نظم و رابطے کیلئے ایک متحدہ پلیٹ فارم ہو اس مقصد کیلئے تنظیم اہل السنت والجماعت شمالی علاقہ جات و کوہستان کی بنیاد ڈالی۔ اور ۳۱۳ علماء کرام پر مشتمل مرکزی شوریٰ بنائی۔

اس تنظیم کے آپ بانی اور امیر رہے۔ آپ علاقے میں پیدا ہونے والے ہر فتنے کا تعاقب فرماتے رہے۔ عوام کی اصلاح، عقائد کی درستگی، توحید و سنت کی اشاعت و ترویج میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ دیوبند کے یہ سپوت، بطل حریت مملکت خداداد پاکستان میں نفاذ اسلام کے علمبردار اور عظیم داعی ہیں۔

ناموس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر آنچ آنے کو ہرگز قبول نہیں کیا۔ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے ناموس صحابہ پر تنقید و تنقیص کی تو آپ نے سختی سے مواخذہ کیا اور دفاع فرمایا۔ اس حوالے سے کئی بار آپ کو گرفتار کیا گیا۔ لیکن گلگت کی تاریخ شاہد ہے کہ حکومت آپ کو چند گھنٹے گرفتار نہ رکھ سکی۔

مسلمان جذبہ ایمان سے سراپا احتجاج ہوئے پورے علاقے میں مسلمان آپ کے اشارے کو حکم تصور کرکے قبول کرتے تھے ۔۱۹۷۵ کو آپ کی گرفتاری پر آنے والے عظیم لشکر تھلیچی اور پڑی بنگلہ کے میدان کی یادیں مشہور ہیں۔

مگر آپ نے اپنی عظیم طاقت کا اظہار ضرور کیا۔ اور امن پسندی اور اکابر کے تسلسل کے امین تھے۔ اپنے اعلیٰ ظرفی اور تدبر سے ان حالات پر قابو فرمایا۔ آپ کے مخالف بھی آپ کے عظیم حوصلے اور احسانات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

الفضل باشهدت به الاعداء!

شمالی علاقہ جات کے دینی اور سیاسی معاملات میں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی ، حضرت مولانا مفتی محمود، شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہم اللہ سے مشاورت اور معاونت حاصل فرماتے۔ شمالی علاقہ جات کی غیر آئینی صورت حال کے بارے میں آپ کا نہایت اصولی موقف تھا۔ آج تک تنظیم اہل السنت والجماعت اس موقف کی امین ہے۔

شمالی علاقہ جات کشمیر کا حصہ ہے۔ انھیں آزاد کشمیر اسمبلی اور کونسل میں نمائندگی دی جائے۔ آزاد کشمیر سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کا دائرہ اختیار گلگت تک بڑھایا جائے۔ شمالی عالقہ جات کی پسماندگی کیلئے خصوصی تحفظات فراہم کئے جائے اور جہاد کشمیر کو تیز تر کیا جائے۔

۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نہایت جذبات سے میدان عمل میں آئے۔

فلسطین کے مسلمانوں پر ظلم کے خلاف ۱۹۶۷ء میں عظیم الشان مظاہرہ کرکے حکومت پر دباوڈالا تھا کہ ہمیں فلسطین جا کر جہاد کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ ۱۹۷۷ء کے تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۸۰ء کے دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جلسے میں بالکل آخری دنوں گلگت سے تشریف لے گئے اور دستار بندی کرا کر تشریف لائے۔

آج شمالی علاقہ جات میں صدائے حق کا بلند ہونا، دعوت تبلیغ کا محول بننا، بدعات کا خاتمہ ہونا، عوام الناس میں عقائد حقہ اور ان میں ہم آہنگی، توحید و سنت سے بھرا ایمان کا پایا جانا، صحابہ کرام کے ساتھ محبت اور عقیدت کے جذبات کا ہونا وغیرہ دارالعلوم کی خدمات اور آپ کی محنت اور کوشش کا تسلسل ہے۔

اللهم بارک لنافی مااعطیت

آپ ۲۳ جون ۱۹۸۶ء کو اس دارفانی سے رحلت فرماگئے۔ نصرۃ الاسلام کی بنیاد کے وقت کی گئی نصیحت کے مطابق عید گاہ کے پہلو میں سپرد خاک ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پے روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆☆☆☆☆

علمائے دیوبند کا فکری منہج

مولانا حبیب الرحمن قاسمی اعظمی

محدثین دہلی اور ان کے چشمۂ علم و عرفان سے سیراب دارالعلوم اور علمائے دیوبند اپنے مسلک اور دینی رخ کے اعتبار سے کلیتاً اہل سنت والجماعت ہیں پھر وہ خود دَروقسم کے اہل سنت نہیں بلکہ اوپر سے ان کا سندی سلسلہ جڑا ہوا ہے؛ اس لیے مسلک کے اعتبار سے وہ نہ کوئی جدید فرقہ ہیں نہ بعد کی پیداوار ہیں بلکہ وہی قدیم اہل سنت والجماعت کا مسلسل سلسلہ ہے جو اوپر سے سند متصل اور استمرار کے ساتھ کابراً عن کابرٍ چلا آرہا ہے۔

علمائے دارالعلوم دیوبند کے اس جامع، افراط و تفریط سے پاک مسلک معتدل کو سمجھنے کے لیے خود لفظ اہل سنت والجماعت میں غور کرنا چاہیے جو دو اجزاء سے مرکب ہے؛ ایک 'السنة' جس سے اصول، قانون، اور طریق نمایاں ہیں اور دوسرا 'الجماعة' جس سے شخصیات اور رفقائے طریق نمایاں ہیں۔

اہل السنة والجماعة کے اس ترکیبی کلمہ سے یہ بات پورے طور پر واضح ہوتی ہے کہ اس مسلک میں اصول و قوانین بغیر شخصیات کے اور شخصیات بغیر قوانین کے معتبر نہیں کیوں کہ قوانین ان شخصیات ہی کے راستے سے آتے ہیں؛ اس لیے ماخوذ کو لیا جانا اور ماخذ کو چھوڑ دینا کوئی معقول مسلک نہیں ہو سکتا۔

حدیث "ما أنا عليه و أصحابي" میں بہتّر (۷۲) فرقوں میں سے فرقۂ ناجیہ کی نشاندہی فرماتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معیار حق ان ہی دو چیزوں کو قرار دیا "ما انا" سے اشارہ سنت یعنی طریق نبوی یا قانون دین کی طرف ہے اور " واصحابی" سے اشارہ الجماعۃ یعنی برگزیدہ شخصیات کی طرف ہے بلکہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں اصحابي کے بجائے الجماعة کا صریح لفظ موجود ہے۔

اس لیے تمام صحابہ، تابعین، فقہائے مجتہدین، ائمہ محدثین اور علمائے راسخین کی عظمت و محبت ادب و احترام اور اتباع و پیروی اس مسلک کا جوہر ہے؛ کیوں کہ ساری دینی برگزیدہ شخصیتیں ذات نبوی سے انتساب کے بدولت ہی وجود میں آتی ہیں۔ پھر مختلف علوم دینیہ میں حذاقت و مہارت اور خداداد فراست و بصیرت کے لحاظ سے ہر شعبۂ علم میں ائمہ اور اولوالامر پیدا ہوئے اور امام و مجتہد کے نام سے انھیں یاد کیا گیا۔ مثلاً ائمہ اجتہاد میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ، ائمہ حدیث میں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی وغیرہ، ائمہ درایت و تفقہ میں امام ابویوسف، امام محمد بن حسن، امام خلال، امام مزنی، امام ابن رجب وغیرہ۔ ائمہ احسان و اخلاص میں اویس قرنی، فضیل بن عیاض

وغیرہ، ائمہ حکمت و حقائق میں امام رازی، امام غزالی وغیرہ، ائمہ کلام میں ابوالحسن اشعری، ابو منصور ماتریدی وغیرہ نیز اس قسم کی دین کی اور بھی برگزیدہ شخصیتیں ہیں جن کی درجہ بدرجہ توقیر و عظمت مسلک دارالعلوم دیوبند میں شامل ہے۔

پھر ان تمام دینی شعبوں کے اصول و قوانین کا خلاصہ دو ہی چیزیں ہیں: "عقیدہ و عمل" عقیدے میں تمام عقائد کی اساس و بنیاد عقیدہء توحید ہے اور عمل میں سارے اعمال کی بنیاد اتباع سنت ہے۔

توحید

مسلک دیوبند میں عقیدہء توحید پر بطور خاص زور دیا جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ شرک یا موجبات شرک جمع نہ ہوں اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو۔ ساتھ ہی تعظیم اہل اللہ اور اربابِ فضل و کمال کی توقیر کو عقیدہء توحید کے منافی سمجھنا مسلک کا کوئی عنصر نہیں۔

خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

علمائے دیوبند کا یہ ایمان ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ افضل البشر و افضل الانبیاء ہیں، مگر ساتھ ہی آپ کی بشریت کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ آپ کے علو درجات کو ثابت کرنے کے لیے حدود عبدیت کو توڑ کر حدود معبودیت میں پہنچا دینے سے کلی احتراز کرتے ہیں۔ وہ آپ کی اطاعت کو فرض عین سمجھتے ہیں مگر آپ ﷺ کی عبادت کو جائز نہیں سمجھتے۔

علمائے دیوبند برزخ میں آپ کی حیات جسمانی کے قائل ہیں مگر وہاں معاشرت دنیوی کو نہیں مانتے۔ وہ آپ کے علم عظیم کو ساری کائنات کے علم سے بدرجہا زیادہ مانتے ہیں پھر بھی اس کے ذاتی و محیط ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

علمائے دیوبند تمام صحابہ کی عظمت کے قائل ہیں؛ البتہ ان میں باہم فرق مراتب ہے تو عظمت مراتب میں بھی فرق ہے، لیکن نفس صحابیت میں کوئی فرق نہیں اس لیے محبت و عقیدت میں بھی فرق نہیں پڑسکتا پس "الصحابة كلهم عدول" اس مسلک کا سنگ بنیاد ہے۔ صحابہ بحیثیت قرن خیر من حیث الطبقۃ ہیں اور پوری امت کے لیے معیار حق ہیں۔ علمائے دیوبند انھیں غیر معصوم ماننے کے باوجود ان کی شان میں بدگمانی اور بدزبانی کو جائز نہیں سمجھتے اور صحابہ کے بارے میں اس قسم کا رویہ رکھنے والے کو حق سے منحرف سمجھتے ہیں۔

علمائے دیوبند کے نزدیک ان کے باہمی مشاجرات میں خطا و صواب کا تقابل ہے حق و باطل اور طاعت و معصیت کا نہیں؛ اس لیے ان میں سے کسی فریق کو تنقید و تنقیص کا ہدف بنانے کو جائز نہیں سمجھتے۔

صلحائے امت

علمائے دیوبند تمام صلحائے امت و اولیاء اللہ کی محبت و عظمت کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس محبت و تعظیم کا یہ معنی قطعاً نہیں لیتے کہ انھیں یا ان کی قبروں کو سجدہ و طواف اور نذر و قربانی کا محل بنالیا جائے۔ وہ اہل قبور سے فیض کے قائل ہیں استمداد کے نہیں۔ حاضری قبور کے قائل ہیں مگر انھیں عید گاہ بنانے کو روا نہیں سمجھتے، وہ ایصال ثواب کو مستحسن اور اموات کا حق سمجھتے ہیں مگر اس کی نمائشی صورتیں بنانے کے قائل نہیں۔

وہ تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس اور عبادت میں قوتِ احسان پیدا کرنے کے لیے اہل اللہ کی بیعت و صحبت کو حق اور طریق احسانی کے اصول و ہدایات کو تجربتاً مفید اور عوام کے حق میں ایک حد تک

ضروری سمجھتے ہیں اور اسے شریعت سے الگ کوئی مستقل راہ نہیں سمجھتے بلکہ شریعت ہی کا باطنی و اخلاقی حصہ مانتے ہیں۔

فقہ اور فقہاء

علمائے دیوبند احکام شرعیہ فروعیہ اجتہادیہ میں فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتے ہیں بلکہ برصغیر میں آباد مسلمانوں میں کم و بیش نوے فیصد سے زائد اہل السنة والجماعة کا یہی مسلک ہے؛ لیکن اپنے اس مذہب و مسلک کو آڑ بنا کر دوسرے فقہی مذاہب کو باطل ٹھہرانے یا ائمہ مذاہب پر زبانِ طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتے کیوں کہ یہ حق و باطل کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ صواب و خطا کا تقابل ہے۔ مسائل فروعیہ اجتہادیہ میں ائمہ اجتہاد کی تحقیقات میں اختلاف کا ہو جانا ایک ناگزیر حقیقت ہے۔

اور شریعت کی نظر میں یہ اختلاف صحیح معنوں میں اختلاف ہے ہی نہیں۔ قرآن حکیم ناطق ہے:

شَــرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِه نُوحاً وَالَّذِىْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَمَا وَصَّـيْنَا به اِبْرَاهِيْمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى أَنْ اَقِيمُوا الدِّيْنَ وَلاَ تَتَفَرَّقُوْا فِيْه۔ (سورة الشورىٰ)

ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دور تک شریعتوں اور منہاج کا کھلا ہوا اختلاف رہا پھر بھی قرآن حکیم ان کو ایک ہی دین قرار دے رہا ہے اور شریعتوں کے باہمی فروعی اختلاف کو وحدتِ دین کے معارض نہیں سمجھتا۔

اگر یہ فروعی تنوع بھی افتراق و اختلاف کی حد میں آسکتے تو پھر "وَلاَ تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ" کا خطاب کیوں کر درست ہوتا؟

لہٰذا جس طرح شرائع سماویہ فروعی اختلاف کے باوجود ایک ہی دین کہلائیں اور ان کے ماننے والے سب ایک ہی رشتہ اتحاد و اخوت میں منسلک رہے۔ تحزب و تعصب کی کوئی شان ان میں پیدا نہیں ہوئی؛ اسی لیے وہ "وَكَانُوْا شِيَعًا" کی حد میں نہیں آئے۔ ٹھیک اسی طرح ایک دین حنیف کے اندر فروعی اختلافات اس کی شان اجتماعیت و وحدت میں خلل انداز نہیں ہوسکتے۔

مواقع اجتہاد میں اہل اجتہاد کا اجتہاد بھی دین کا مقرر کردہ اصول ہے۔ اسے دین میں اختلاف کیسے کہا جاسکتا ہے۔ رہا جماعتِ مجتہدین میں سے کسی ایک کی پیروی و تقلید کو خاص کر لینا تو دین کے بارے میں آزادیِ نفس سے بچنے اور خود درائی سے دور رہنے کے لیے امت کے سواد اعظم کا طریق مختار یہی ہے، جس کی افادیت و ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

باب تقلید میں علمائے دیوبند کا یہی طرز عمل ہے۔ وہ کسی بھی امام، مجتہد یا اس کے فقہ کی کسی جزئی کے بارے میں تمسخر، سوئے ادب یا رنگ ابطال و تردید سے پیش آنے کو خسران دنیا و آخرت سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک یہ اجتہادات شرائع فرعیہ ہیں اصلیہ نہیں کہ اپنے فقہ کو موضوع بنا کر دوسروں کی تردید یا تفسیق و تضلیل کریں؛ البتہ اپنے اختیار کردہ فقہ پر ترجیح کی حد تک مطمئن رہیں۔ مذکورہ بالا امور میں علمائے دیوبند کا یہ طرز عمل اور مسلک ان کی مؤلفات (شروح حدیث، تفسیر، فقہ وکلام وغیرہ) میں پوری تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں، جنھیں دیکھ کر خود فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

فقہ میں سنت کی راہیں

برصغیر میں کم و بیش نوے فی صد مسلمان فقہ حنفی پر عامل ہیں۔ فقہ حنفی امام ابو حنیفہ کے اجتہادات، ان کے تلامذہ کے استخراجات اور اصحاب ترجیح کے فیصلوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس

قدر بحث و تحقیق اور کانٹ چھانٹ کے بعد فقہ کا کوئی مسئلہ اصولِ شریعت کے خلاف باقی نہیں رہ سکتا۔ مگر اس طریق عمل میں ایک پہلو یہ بھی تھا کہ عمل کرنے والے کی نظر ائمہ و فقہاء کی تخریجات تک محدود رہتی، گو وہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کے طریق سے متجاوز نہ ہوتا؛ مگر عمل کرنے والے کا شعور اتباع سنت کی لذت پوری طرح محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کا یہ عظیم تاریخی کارنامہ ہے کہ اس نے اعمال وعبادات کو ان کے بنیادی مصادر کی طرف لوٹایا۔ احادیث کے دفاتر کھلے، رجال کی گہری نظر سے پڑتال ہوئی، معانی حدیث میں بحث کی گئی، گو ان حضرات کو اس علمی و تحقیقی کاوش سے فقہ کا کوئی مفتی بہ قول اصول شریعت سے معارض نہ ملا تاہم اس راہ تحقیق نے (جو ظاہریت کی تفریط اور اہل بدعت کی افراط سے پاک سلف صالحین کے مقرر کردہ منہاج پر مبنی ہے) ایسی فضا پیدا کر دی کہ پہلے جن مسائل پر فقہ سمجھ کر عمل کیا جاتا تھا اب وہی مسائل سنت کی خنک روشنی دینے لگے اور ان اعمال میں اتباع حدیث کی وہ لذت محسوس ہونے لگی جو اس فکری تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

علمائے دارالعلوم کا فکری اعتدال

علمائے دیوبند دین کے سمجھنے سمجھانے میں نہ تو اس طریق کے قائل ہیں جو ماضی سے یکسر کٹا ہو کیوں کہ وہ مسلسل رشتہ نہیں ایک نئی راہ ہے۔ اور نہ وہ اس افراط کے قائل ہیں کہ رسم ورواج اور تقلیدِ آباء کے تحت ہر بدعت، اسلام میں داخل کر دی جائے۔ جن اعمال میں تسلسل نہ ہو اور وہ تسلسل خیر القرون سے مسلسل نہ ہو وہ اعمال اسلام نہیں ہوسکتے۔ یہ حضرات اس تقلید کے پوری طرح قائل ہیں جو قرآن وحدیث کے سرچشمہ سے فقہ اسلام کے نام سے چلتی آئی ہے۔ قرآن کریم تقلید آباء کی صرف اس وجہ سے مذمت کرتا ہے کہ وہ آباء عقل واہتداء کے نور سے عاری تھے: "اَوَلَو كَانَ آبَاءُ هُم لا يَعْقِلُون شيئاً وَلاَ يَهتَدُون"۔ ائمہ سلف اور فقہائے اسلام جو علم وہدایت کے نور سے منور تھے ان کی پیروی نہ صرف یہ کہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ صرف حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہی کی نہیں، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ پر چلنے چلانے کی ہر نماز میں اللہ سے درخواست کریں؛ کیوں کہ یہی صراط مستقیم ہے۔" اِهدِنا الصِّراطَ المُستَقِيم صِراطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمتَ عَلَيهِمْ"۔ اس منہج اعتدال کی بنا پر علمائے دیوبند مذہبی بے قیدی اور خود درائی سے محفوظ ہیں اور شرک و بدعت کے اندھیرے انھیں اپنے جال میں نہ کھینچ سکے۔

علمائے دیوبند نے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں ہی کو سنت کا شعور بخشا بلکہ دیگر بلاد اسلامیہ مصر وشام وغیرہ بھی ان کے اس فکر سے متاثر ہوئے۔ دیوبندی مکتبۂ فکر کا نصوص فہمی میں منہج مختار یہی ہے۔ علمائے دیوبند کی تالیفات مثلاً فیض الباری شرح بخاری، لامع الدراری شرح بخاری، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، الکوکب الدری شرح جامع ترمذی، معارف السنن شرح جامع ترمذی، بذل المجھود شرح سنن ابی داؤد، اوجز المسالک شرح موطا امام مالک، امانی الاحبار شرح معانی الآثار للطحاوی، اعلاء السنن، ترجمان السنة، معارف الحدیث وغیرہ میں اس منہج مختار کو دیکھا جاسکتا ہے۔

ماخذ: تلخیص مقالہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، ماہنامہ الرشید لاہور فروری مارچ ۱۹۷۶ء، دارالعلوم نمبر، ص ۱۵۷ تا ۱۶۵- مقالات حبیب، مولانا حبیب الرحمن قاسمی اعظمی، جلد اول، ص ۵۶ تا ۶۳